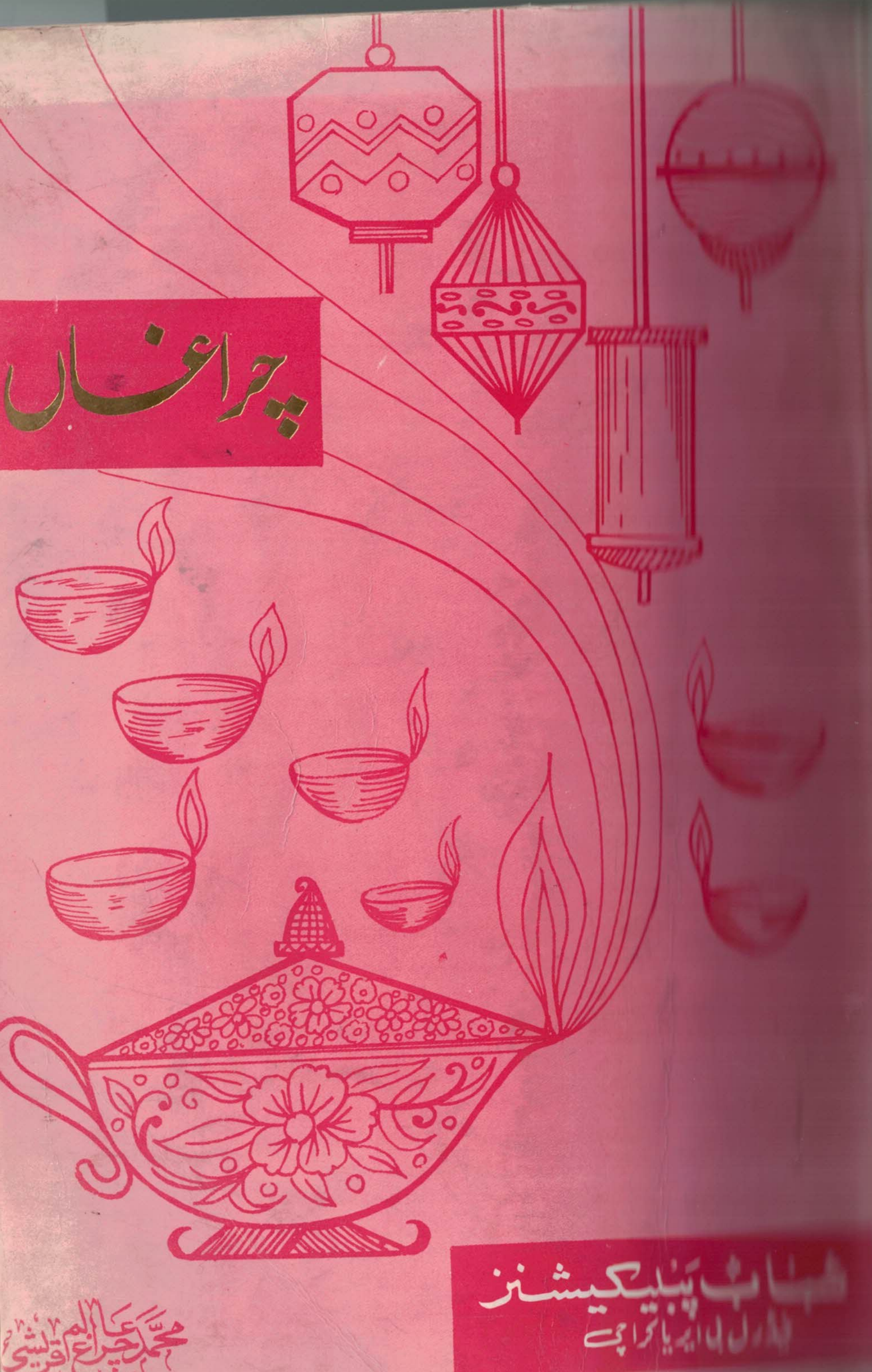
چراغاں



شباب پبلیکیشنز
فیڈرل بی ایریا کراچی



فیڈرل بی ایریا، کراچی

چراغاں

(35 نظمیں
124 غزلیں)

محمد چراغ عالم قریشی

1995
وفات 17 آذر 1374 (8 دسمبر 1995)
Rasm Haftah 15-12-95

شباب پبلیکیشنز
فیڈرل بی ایریا، کراچی

نام کتاب ______ چراغاں
شاعر ______ محمد چراغ عالم قریشی
پبلشرز ______ (در پاکستان) شباب پبلیکیشنز، کراچی
______ (در ایران) محمد چراغ عالم قریشی، اصفہان
۔ ایران ۔
مطبوعہ ______ علی پرنٹرز ، میرپور ، آزاد کشمیر
باراوّل ______ جنوری ۱۹۹۳ء
تعداد اشاعت ______ پانچ سو
قیمت . (در پاکستان) ______ ۱۰۰/. روپے
(بیرونی ممالک) ۲۰ ڈالر

خطاط
غلام حسین جاوید
لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

دل کی بات

میں ایک یونیورسٹی ٹیچر ہوں. میں اپنے کام کو بہت پسند کرتا ہوں اور جو لذّت مجھے پڑھانے میں ملتی ہے وُہ میں کسی اور کام میں نہیں پاتا. اس لیے میں نے کسی دوسرے کام پر کبھی توجہ ہی نہیں کی لیکن دِل کی کیفیت اور خود پر بیتی باتوں سے متاثر ہوکر شعر بعض اوقات جب مجھے کوئی اور کام نہیں ہوتا خود بخود ہی زبان اور قلم پر جاری ہو جاتے ہیں. میری نظمیں اور غزلیں ایسے ہی لمحات کا نتیجہ ہیں اسی لیے کم بھی ہیں۔

میں پیشہ ور شاعر نہیں ہوں. میں نے شاعری کی تربیت بھی کہیں نہیں پائی ہے دِل پر جب کسی بات کا سخت اثر ہوتا ہے تو اسے اشعار کا جامہ پہنا دیتا ہوں میری شاعری کی حقیقت بس اتنی ہی ہے۔

میری زندگی پر سب سے زیادہ اثرانداز ہونے والی چار باتیں ہیں. اسلام پاکستان، عورت اور بعض شاعر. میری نظمیں انہیں عناوین پر ہیں۔

ہر نظم فقط ایک تاثر ہی کو پیش کر سکتی ہے البتہ غزل میں مختلف قسم کے مضامین کی گنجائش ہوتی ہے لیکن میری ہر غزل بھی بالعموم کسی ایک کیفیت ہی کی عکاسی کرتی ہے یا اس پر زور دیتی ہے. بعض غزلیں مزاحیہ بھی ہیں اور نظموں

کے علاوہ مجھے وہی پسند ہیں۔ اب پڑھنے والے کیا پسند کریں گے وہ پڑھنے والے ہی جانیں لیکن اگر یہ سچ ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے تو پھر میرے شعروں میں اثر نہ ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

چراغؔ

۱۳، جولائی ۱۹۹۲ء

اصفہان، ایران

(پہلا حصّہ)

سیلِ افکار

نظموں کا مجموعہ

(35 نظمیں)

انتساب

پاکستان کی رُوح

یعنی

عشق و عمل کے نام

حُسنِ ترتیب

نذرِ عقیدت

وطن کی باتیں

تین شاعر

محبّت ہی محبّت

عناوین مختلف

پانچ سہرے

قطعات

35 نظمیں

مرے ادراک کو بیگانۂ علم و ہنر کر دے
مرے قلبِ حزیں کو بے نیازِ خشک و تر کر دے
اُٹھا سکتا نہیں میں بوجھ اپنی نامرادی کا
خُدایا زندگی کو مختصر سے مختصر کر دے

دُور ہے دُور ہے فردوس گہِ قبر ابھی
اور کچھ دیر طبیعت پہ کرو جبر ابھی
موت تو آخری منزل ہے ابھی ہے وہ کہاں
زندگی پر ہی مری جان کرو صبر ابھی

شب فراق ہے اور سب جہان ہے مغموم
سحر ہوئی بھی تو کیا ہوگا کچھ نہیں معلوم
یہ چاند تارے، مناظر یہ ساکت و جامد
کوئی بتاؤ کیا مقصد ہے ان کا کیا مفہوم؟

(دوسرا حصّہ)

حصّے ہیں پہیلی کے

غزلوں کا مجموعہ

(۱۲۶ غزلیں)

انتساب

میرے ابّا کے سب سے
بڑے دوست اور پوٹھوہاری کے گمنام
شاعر چودھری غلام حسین کے نام!

حسنِ ترتیب

۱۲۶ غزلیں

نذرِ عقیدت

حمد

عرصۂ کائنات میں کون حسیں ہے جلوہ گر
ذرّوں میں، مہر و ماہ میں طوُر ہی طوُر مُستتر
تُو ہی فقط ہے مُستند تُو ہی فقط ہے معتبر،
تُو ہی ازل سے تا ابد باقی ہے وہم سر بسر

○

نعت

دھڑکنیں دل کی نغمہ زن تیرے لیے ہیں رات دن
میں ہوں ترا خیال ہے صلِّ علیٰ محمدٍ
تُو ہے سراجِ عاشقاں تُو ہے چراغِ دو جہاں
تُجھ سے زمین و آسماں، تجھ سے مکان و لامکاں

دُعا

اپنے حبیبؐ کے طفیل ربِ جلیل و مقتدر
قوت لازوال دے، طاقت بے مثال دے
قلب و نظر کو وسعتیں، عزم و عمل کو ہمتیں
جس سے ڈریں شریر و شر ہم کو تو وہ جلال دے
علم و ہنر کا شوق دے صدق و صفا کا ذوق دے
خدمتِ خلق ہو سکے جس سے وہی کمال دے
شعلہ وُہ بخش جس سے ہم دِل کے دیئے جلا سکیں
ایسا چراغ روشنی جو ہر طرف اُچھال دے

نبیوں کے سردار

سچے نبیؐ کی سچی باتیں
خالص جنت کی سوغاتیں
میٹھے بول اثر میں ڈوبے
دِل میں اُترتی کام کی باتیں
صدقے تیرے کملی والے
کون و مکاں تیری خیراتیں
تجھ سے ہی انسان کے ہاتھوں
کھائی ہیں شیطان نے ماتیں
تیرے تصوّر سے وابستہ
نوُر اور رحمت کی برساتیں
یہ دُنیا ہو یا وُہ دُنیا
تجھ پر ہیں موقوف نجاتیں
تیرے پیارے نام پہ اُتریں
دِل میں خوشیوں کی باراتیں

تیرے رُخِ انور کی بدولت
دِن سے روشن اپنی راتیں
سب سے چراغ اچھی اور اُوسلے
نبیوں کے سردار کی باتیں

صبح مبارک ولادتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم

ہے آج صبح کیسی نوخیز پیاری پیاری
بادِ نسیم کتنی سرشار مہکی مہکی
شبنم کے موتیوں کی شفاف آبداری
پتوں پہ پتیوں پر
پھولوں کی بتیوں پر
غنچوں کی بالیوں پر
نازک سی ڈالیوں پر
یوں لگ رہی ہے جیسے جگنو چمک رہے ہوں
یا صُبح دم ستارے آنکھیں جھپک رہے ہوں
کلیاں ہیں نیم بستہ
تکتی ہیں کس کا رستہ
کس انتظار میں ہیں
کیوں ادھ کھُلی کھڑی ہیں
گُل مُسکرا رہے ہیں

قصہ سُنا رہے ہیں شاید اسی سحر کا
جس میں ہوئے تھے پیدا میرے رسولِ عربی

پیارے رسُول عربی
سُورج نکل رہا ہے
سونا اُگل رہا ہے
عالم سنبھل رہا ہے
کروٹ بدل رہا ہے
دُنیا سنور رہی ہے
ہر شے نکھر رہی ہے
بادل شفق کھلائے چلتے ہیں ہولے ہولے
کچھ مشعلیں جلائے بڑھتے ہیں آگے آگے
جھرنے مچل رہے ہیں
دریا اُچھل رہے ہیں
بے چین ہو کے موجیں سجدے سے کر رہی ہیں
بے انتہا خوشی میں سب گنگنا رہے ہیں
تن من فدائے احمد صلِّ علیٰ محمّد

گاتی ہوئی ہوائیں مخمُور ہو رہی ہیں
اندازِ بے خودی میں یہ گیت گا رہی ہیں
طلعت لیوم شمسی آج عید ہے ہماری

انسانیت کا سورج وحدانیت کا سُورج
مظلوم کا سہارا بے کس کی ڈھال سُورج
تاریکیوں کا دُشمن غم کا وبال سُورج
اک پیکرِ صداقت، رُوحِ جلال سُورج
اور رحمتِ دو عالم، صاحب جمال سُورج

دیکھو نکل رہا ہے
ہر سو چمک رہا ہے
منبع رضائے حق کا چشمہ قضائے حق کا
مرکز صدائے حق کا پیکر صدای حق کا

قالب میں اک بشر کے
کچھ عام فہم بن کے
سوئے جہان آیا
اور اپنے ساتھ لایا اک سیلِ نور ایسا
جس نے کیا اُجالا دُنیائے خشک و تر میں

پہنائے بحر و بر میں
صحرا میں دشت و در میں
ہر کوہ، ہر کمر میں
ماں باپ اور خود میں سو بار آپ پر ہوں
قربان پیارے احمد، صلِّ علیٰ محمد

اوڑھے ہوئے ہے ہر شے اک نُور کا لبادہ
ہر دِل دھڑک رہا ہے معمول سے زیادہ
ہر پاکباز دِل میں
ہر حق نواز دِل میں
اک کیفیت ہے پیدا
اک رنگ ہے ہویدا
ہاں آج ہر مسلماں محسوس کر رہا ہے
ہر ایک سچا انساں محسوس پا رہا ہے
کیف و سرور دِل میں
نور و حضُور دِل میں !
انوارِ طور دِل میں
نقشِ حضُور دِل میں
تن من فدائے احمد صلِّ علیٰ محُمّد

ہر شے میں زندگی ہے
ہر سمت روشنی ہے
مایوسیوں کے سائے کافور ہو گئے ہیں
تاریکیوں کے سائے سب دور ہو گئے ہیں
ہر سمت ہے اُجالا !
حق کا ہے بول بالا

باطل سمٹ گیا ہے
رستے سے ہٹ گیا ہے
اب اونچ نیچ ساری ہموار ہو گئی ہے
راہِ حیات میں اب کچھ پیچ و خم نہیں ہے
محور مِلا ہماری آوارہ زندگی کو !
مرکز مِلا ہماری ناکارہ زندگی کو
اسلام کے ذریعے سرِّ حیات پایا
قرآن کے وسیلے رازِ نجات پایا
رفعت ہے اور ہم ہیں
عزّت ہے اور ہم ہیں
گُل پھُول بیل بُوٹے
خازن یہ رنگ و بُو کے
بادل ہوا کے جھونکے
دریا، پہاڑ، جھرنے
شمس و قمر، ستارے
سب میزباں ہمارے ہیں، آپ کی بدولت
اے داورِ محبت
تن من فدائے احمد صلِّ علیٰ محمد

اے دو جہاں کی رحمت، ہے آپ کی شفاعت
ہم سے گناہگاروں لیکن وفا شعاروں کا آخری سہارا
اور اب کہاں ملے گی گر نہ یہاں ملیگی ہم کو پناہ یارب
ہم سے نباہ یا ربّ
وابستہ رکھ ہمیں تو
پابستہ رکھ ہمیں تو
اسلام کے ذریعے
قرآن کے وسیلے
اپنے نقیب ہی سے
پیارے حبیبؐ ہی سے
تن من فدائے احمد صلِّ علیٰ محمد

بدرگاہِ امام حسین علیہ السّلام

عیسیٰ نفس ہے اب بھی سیادت حسینؑ کی،
اب تک ہے جاندار قیادت حسینؑ کی

میدانِ کربلا ہے یہ دُنیا تو آج بھی
ہر معرکے کی جاں ہے امارت حسینؑ کی

دُنیا میں خُونِ نو کی ضرورت جہاں بھی ہو
ہے سُرخرو وہیں پہ شہادت حسینؑ کی

ہر دورِ ابتلا میں بٹی ہے تبرک کا
دیوانگانِ شوق میں جرارت حسینؑ کی

صدہا چمن شکار خزاؤں سے کامیاب
نکلی صدا بہار صداقت حسینؑ کی

قربان جائیے کہ نفس در نفس حیات
محسوس کر رہی ہے ضرورت حسینؓ کی

ہو آج بھی جہاں کہیں طغیانِ ظلم و جور
جلوے دکھاتی رہتی ہے طاقت حسینؓ کی

کیا کچھ رہِ خُدا میں لٹایا نہ بے دریغ
اللہ رے بے پناہ سخاوت حسینؓ کی

ہے خون بن کے ہر دلِ زندہ میں موجزن
کس آن بان کی تھی شجاعت حسینؓ کی

بھلا
سُرخی رُخ دوام کے چہرے پر کیوں نہ ہو
بخشی گئی ہے اُسکو رفاقت حسینؓ کی

ہے رَبّ ذوالجلال کے دربارِ خاص میں
مقبول و محترم تو عبادت حسین کی

پاتی نہیں پناہ کہیں بھی یزیدیت
کہئے اسے چراغ کرامت حسینؓ کی

وطن کی باتیں

یوم پاکستان

صبح چمنستان کی باتیں کریں
یومِ پاکستان کی باتیں کریں

ہے یہ نو روزِ مسلمانانِ پاک
جشن کے سامان کی باتیں کریں

پھر کریں اک معجزے کا تذکرہ
آ خدا کی شان کی باتیں کریں

بانیانِ مُلک پر بھیجیں سلام
جرأتِ انسان کی باتیں کریں

شاعرِ اسلام کی گہری نظر
بے پناہ عرفان کی باتیں کریں

ایک سچے خواب کی تعبیر پر
قائدِ ذی شان کی باتیں کریں

ذہن میں رکھیں شہیدوں کا لہو
غازیوں کی آن کی باتیں کریں

چاند تارے کا عَلم لیکر چلیں
رفعتِ انسان کی باتیں کریں

کام لیں پھر اتحاد و نظم سے
عزم اور ایمان کی باتیں کریں

علم و فکر و آگہی کی چھاؤں میں
شعلۂ وجدان کی باتیں کریں

آؤ دوبالا کریں حُسنِ وطن!
آرزوئے جان کی باتیں کریں

اپنے مستقبل سے دوبارہ چراغ
اک نئے پیمان کی باتیں کریں

اگست ۱۴ کی شب

اگست چودہ کی شب ربع اِک صدی پہلے
ہمارے مُلک کے مطلع پہ مہرِ آزادی
طلوع ہوا تھا بصد شوکت و جلال و حشم
شفق کی سُرخیاں معمول سے زیادہ تھیں
بہت زیادہ مگر یہ گمان تک بھی نہ تھا
افق پہ خون کا سمندر اچھلتا ہو گا
وہ خون جس کے تحفظ کا واسطہ دے کر
لڑی گئی تھی کئی سال جنگِ آزادی
محض مسلّمہ تہذیب کے اصولوں سے
محض مروّجہ قانون کے طریقوں سے
کسے خبر تھی مگر بیڑیوں کے کٹتے ہی
اُڑیں گی دھجیاں قانون و آدمیت کی
لہو میں ڈوبی نظر آئیں گی وہی قدریں
ہزار سال جنہیں ہم نے مل کے پالا تھا

ڈسیں گی ناگنیں بن کر ہمیں وہی آنکھیں
سجھاؤ جن کا بظاہر لبھانے والا تھا
کسے گماں تھا کہ اپنے ہی غیر سے مل کر
ہمارے عزمِ فراواں کا امتحاں لیں گے
تُلیں گے نوکِ سناں پر ہزار ہا غنچے
شہیدِ سازشِ صد خار، لاکھ گُل ہونگے
بچیں گے شر سے نہ بچے نہ عورتیں نہ ضعیف
بلا دریغ سبھی کشتۂ ستم ہونگے
کسے خبر تھی کہ پھر زیبِ داستاں کے لیے
لکھوکھا نازنیں ننگی ہوس کا ہونگے شکار
ہزاروں عصمتیں بک جائیں گی سرِ راہے
کروڑوں عفتیں لٹ جائیں گی سرِ بازار
گریں گے بند قبائے معاشرت کٹ کر
کریگا دامنِ انسانیت فغاں پھٹ کر
کِسے خبر تھی؟

مگر وہ وقت بھی آیا گیا ہوا آخر
یہ دل میں سوچ کے کچھ ہم بھی ہوگئے صابر
کہ ہر سویرا لہو میں نہا کر آتا ہے

سحر کی دیوی کے چرنوں پہ ابتدا ہی سے
شفق کے پھول چڑھانے پڑا ہی کرتے ہیں
عروسِ صبح کو ہر دور ہر زمانے میں
کسی حنا کی ضرورت رہا ہی کرتی ہے
طلوعِ پرچمِ خورشیدِ حرّیت کے لیے
ہمیشہ داؤ پہ جانیں لگانی پڑتی ہیں،
لہٰذا ہم نے بھی قربانیاں گوارا کیں
ہزار شُکر بجا لائے اس ستم پر بھی
ہزار شُکر غلامی کی کٹ گئی زنجیر
ہزار شُکر ہم آزاد ہوگئے آخر
ابھی نہیں ہے تو کچھ دیر بعد ہی کو مگر
وہ سچّی صبح ضرور آئے گی بصد انداز
ہے جس کی آس میں ہم سب کی زندگی کا جواز

یہ جائز آس تھی لیکن سراب ہو کے رہی
جو خواب تھی وہ خداداد مملکت تو ملی
مگر جو پاک حقیقت تھی خواب ہو کے رہی
لہو پیا بھی مگر زندگی سنبھل نہ سکی
شفق کو چیر کے کوئی کرن نکل نہ سکی
سحر ہوئی تو مگر خود ہمیں کو مل نہ سکی

وُہ اِک نظر جو ستاروں سے بات کر سکتی
وہ اک تڑپ جو شراروں کو مات کر سکتی
ہم اپنی ذات کی تاریکیوں میں ڈوب گئے
اور ایسے ڈوبے اُبھرنے کا نام لے نہ سکے
پکارتی رہی منزل، تلاش کرتے رہے
ہمیں وہ راستے جو آستانِ یار گئے
مگر کچھ ایسے ہم اس روزگار میں کھوئے
رہِ حیات کے گرد و غبار میں کھوئے
کہ آج تک ہمیں اپنا سراغ ملتا ہے
نہ روئے یار کا روشن چراغ ملتا ہے

یہ سب درست مگر پھر بھی نا امید نہیں
وُہ دِل کہ جن میں ہے لا تقنطوا کی چنگاری
پھر اپنے خُون سے روشن کریں گے ارضِ وطن
اگر نہ صبحِ بہاراں بطور خود آئی!

یوم آزادی

قریہ قریہ قوم ہماری
آج عروسِ آزادی کی
مانگ میں پھر سیندور بھرے گی
آزادی کا دن ہے رفیقو آزادی کا دِن

آزادی کا جشن منائیں
جھُوم جھُوم کے نغمے گائیں
مِل جُل کر پھر بزم سجائیں
آزادی کا دن ہے رفیقو آزادی کا دِن

بے عملی کی باتیں بھولیں
آؤ نئے تقاضوں کو لیں
ہم بھی چاند ستارے چھولیں
آزادی کا دِن ہے رفیقو آزادی کا دِن

امن و اماں کے گُن گائیں ہم
جینے کے سب گُر پائیں ہم
مرنے سے بھی نہ گھبرائیں ہم
آزادی کا دن ہے رفیقو آزادی کا دِن

مشکل سے گھبرانا کیسا
دشمن سے کترانا کیسا
طاقت سے دَب جانا کیسا
عزم یہی ہم کریں رفیقو آزادی کے دِن

کمزوروں کو طاقت بخشیں
ناداروں کو وقعت بخشیں
بے مایوں کو عزت بخشیں
آزادی کا دِن ہے رفیقو آزادی کا دن

بیکاروں کو کام دلائیں
مظلوموں کی مدد کو آئیں
مجبوروں کو بھی نہ ستائیں
آزادی کا دن ہے رفیقو آزادی کا دن

اونچ نیچ ہموار کریں ہم
رشکِ گُل ہر خار کریں ہم
ہر انسان سے پیار کریں ہم
عزم یہی ہم کریں رفیقو آزادی کے دِن

مِل جُل کر سب کام کریں ہم
اونچے اپنے دام کریں ہم
روشن اپنا نام کریں ہم
عزم یہی ہم کریں رفیقو آزادی کے دِن

سچ کی حمایت کرتے رہیں ہم
عدل ہی کا دَم بھرتے رہیں ہم
اللہ سے بس ڈرتے رہیں ہم
عزم یہی ہم کریں رفیقو آزادی کے دِن

نئی پرانی تہذیبوں کو
اپنی پرائی تجویزوں کو
اچھی اچھی سب چیزوں کو
چُن لیں ہم گن گن کے رفیقو آزادی کے دِن
آزادی کا دِن ہے رفیقو آزادی کا دِن

خطرے کی گھنٹی

ٹھہر شمال کی اے بادِ تند خیز ٹھہر
نہ جانے کیوں تری سردی سے جی لرزتا ہے
بدن کی بات نہیں دل ہی کچھ سمٹتا ہے
تری اداؤں سے یوں تو کوئی گلہ بھی نہیں
سمجھ میں آئے جو لیکن وہ سلسلہ بھی نہیں
میں تیری تُند مزاجی سے سہما جاتا ہوں
نہ جانے کیوں تری تیزی سے خوف کھاتا ہوں

ٹھہر شمال کی اے بادِ تُند خیز ٹھہر
کہ میرے دل پہ ہے اک آتشِ نہاں کا اثر
وہ ایک آگ جسے میں نے زندگی جانا
قرارِ جان بنایا سکونِ دل مانا
جو دے گئی مجھے اپنے وجود کا عرفاں
جلا کے مجھ کو سراپا بنا گئی انساں

حیات و موت کے جھگڑے مٹا دیئے جس نے
کچھ ایسے سانچوں میں تخریب کے قویٰ ڈھالے
کہ وہ بھی جذبۂ تعمیر کے ستون بنے
مری نظر میں تصرّف کیا تو چھوڑ گئی !
مجسموں کے سراپے، خلوص کے پیکر
عطا و بخشش و ایثار و لطف کے منظر
جو دل میں آئی تو اک کہکشاں کو ساتھ لیئے
میرے ضمیر میں روشن نجُوم و ماہ کیئے
میرے وجُود کو دے دی بڑی ہمہ گیری
سمو دیا مری ہستی میں کائنات کو بھی

ٹھہر شمال کی اے باد تند خیز ٹھہر
میں تیری تند مزاجی سے سہما جاتاہوں
نہ جانے کیوں تری تیزی سے خوف کھاتا ہوں
اگرچہ میں بڑی اچھی طرح سمجھتا ہوں
کہ میرے دل میں ہے جس آتشِ رواں کا اثر
ہے اُسکی موت ترے اختیار سے باہر
تو پھر یہ خوف و خطر کا غبار کیا معنی
گھُٹی گھُٹی سی نفس کی پکار کیا معنی
ٹھہر شمال کی اے باد تند خیز ٹھہر
رگوں میں منجمد شعلوں پہ غور کرنے دے

عہدِ تازہ

ہندوستان سے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد

اے میرے وطن پیارے وطن شاد رہے تو
مانند فلک قائم و آباد رہے تو
تا صبح قیامت یونہی آزاد رہے تو

چمکیں تیری قسمت کے نجوم اور زیادہ
محفلیں ترے رندوں کے ہجوم اور زیادہ
ہو تیرے پرستاروں کی دھوم اور زیادہ

وہ تیرے پرستار جو جی جان کی بازی
تیرے لیے ہر وقت لگانے پہ ہیں راضی
جو ہو کے شہید آتے ہیں میداں سے یا غازی

جو غیر اللہ کی کوئی پروا نہیں کرتے
اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے
ہاں ہاں یہ وہی ہیں جو کبھی بھی نہیں مرتے

اس حالیہ خونریز تصادم میں انہوں نے
دھاک اپنی شجاعت کی زمانے پہ بٹھا دی
جو معرکہ دشوار بظاہر تھا بہت ہی
آسان بنایا ترے مستوں کے جنوں نے

لاہور سیالکوٹ ہو یا چھمب کی وادی
مہر اپنی جوانمردی کی ہر رن پہ لگا دی
تاریخ کلیجے سے لگائے گی اب ان کو
ہر نسل سر آنکھوں پہ بٹھائے گی اب انکو

اے میرے وطن شاد، سدا شاد رہے تو
مانند فلک قائم و آباد رہے تو!
تا صبحِ قیامت یونہی آزاد رہے تو!

مائل ہو ترے رخ پہ بہار اور زیادہ
ہو تیری محبت کا خمار اور زیادہ
ہم تجھ پہ ہوں قربان و نثار اور زیادہ

تجھ سے ہے تری قوم کا ہر فرد جو زندہ
تجھ پہ نہ مرے گا تو بھلا کس پہ مرے گا
آباد تجھی سے ہے جو اس قوم کی دُنیا
پھر تجھ سے عزیز اپنی بقا کون رکھے گا
آج عہد یہی کرتا ہے ہر بچّہ و بوڑھا
جب تک کہ ہے ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ
ملت پہ کوئی آنچ کبھی آنے نہ دے گا
دشمن سے تنِ تنہا بھی لڑتا ہی رہے گا
بیکار شہیدوں کا لہو جانے نہ دے گا

اے میرے وطن شاد، سدا شاد رہے تو
تا صبحِ قیامت یونہی آباد رہے تو!
چھلکیں تیری اُلفت کے ایاغ اور زیادہ
روشن ہوں تیرے پیار کے داغ اور زیادہ
ناچیں تیری محفل کے چراغ اور زیادہ
جب تک نہ یہ منوالیں ترا لوہا جہاں سے
دیوانے تیرے کوہ کنی کرتے رہیں گے
جب تک نہ ترا نُور مسلط ہو جہاں پر
پروانے ترے، تجھ پہ یونہی مرتے رہیں گے

یہ غازی یہ شہید

مُلک و ملّت کے نگہدار یہ غازی یہ شہید
قوم کا طالع بیدار یہ غازی یہ شہید

صرف اللہ پہ رکھتے ہیں بھروسہ کامل
یہ محمّد کے وفادار یہ غازی یہ شہید

اک یہی ٹھہرے ہیں اللہ کی نظروں میں بھی
دونوں دنیاؤں کے حقدار یہ غازی یہ شہید

نقدِ غیرت کے امیں دولتِ ایمان کے ساتھ
مالکِ جذبۂ خود دار یہ غازی یہ شہید

مُلک گیری کی ہوس ان کو نہ طاقت کا غرور
ہیں ہمہ پیکرِ ایثار یہ غازی یہ شہید

حق و انصاف پہ جی جان سے جانے والے
ہیں یہی صاحبِ کردار یہ غازی یہ شہید

باخبر ہر نئے ابلیس کے بہروپ سے یہ
شرِّ باطل سے خبردار یہ غازی یہ شہید

دوست کے دوست ہیں ہمدرد کے ہمدر دگر
دشمن پنجۂ خونخوار یہ غازی یہ شہید

ہیں یہی ہم کو درندوں سے بچانے والے
بن کے اِک آہنی دیوار یہ غازی یہ شہید

موت سے جنگ ہو یا معرکۂ زیست چراغ
ماننے والے ہیں کب ہار یہ غازی یہ شہید

آئینِ ارضِ پاک

۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء کو آئین کی تکمیل پر

پچیس ۲۵ سال بعد سہی کچھ ہُوا تو ہے
کھو کھو گیا جو راستہ آخر ملا تو ہے

جمہوری و وفاقی و اسلامی طرز کا
آئینِ ارضِ پاک بالآخر بنا تو ہے

یہ وقت ہے کہ جشن منائیں ہم سبھی
آخر گُلِ مراد چمن میں کھِلا تو ہے

گُلشن میں سبزہ و گل و نغار و ثمر نے آج
مل جُل کے اہتمامِ بہاراں کیا تو ہے

دستور یہ ہماری نمائندہ عوام
آئین خود بخود ہی عوامی ہُوا تو ہے

کیونکر خُدا کا شُکر نہ ہم سب ادا کریں
اک داغ سا وطن کی جبیں سے دُھلا تو ہے

زخموں سے چُور اب بھی بہت لوگ ہیں مگر
کچھ کچھ وطن کا چاک گریباں سِلا تو ہے

انصاف کو ترستے چلے آ رہے تھے ہم
آزاد عدلیہ کا سہارا ملا تو ہے

محنت بقدرِ جُثہ تو حِصّہ بقدرِ کار
اس کو اساسِ جُہد بنایا گیا تو ہے

انگلش رہی مینز ففٹین ایئرز مور ٹھیک ہے
اُردو کو پھر برتنے کا وعدہ ہوا تو ہے

'English remains fifteen years more'

آزادئ وطن کی حفاظت کے واسطے
اک پائیدار بند سا باندھا گیا تو ہے

یوں تو خُدا کی ذات ہے بالذات مستقل
آئین ہے کافی مستقل اپنا سنا تو ہے
اللہ کرے ہمارا یہ آئیں ہو نیک فال
ہم نے چراغ اس پہ بھروسا کیا تو ہے

نئی سحر

ہمارے بخت نے انگڑائی لی ہے کہتے ہیں
نئی سحر ہے نئی زندگی ہے کہتے ہیں

سنا ہے اک نئے ڈھب سے بہار آئی ہے
خزاں کچھ ہم سے گریزاں ہوئی ہے کہتے ہیں

ہر ایک شے میں مسرت کی لے نمایاں ہے
ہر ایک دل میں خوشی ناچتی ہے کہتے ہیں

سحر کے نور میں تاریکیوں نے دم توڑا
تو اب چہار طرف روشنی ہے کہتے ہیں

رخِ حجاب زدہ سے اٹھا ہے پردہ بھی
جو طے یہ منزلِ آئیں ہوئی ہے کہتے ہیں

عمل کی قوتوں کو مل گیا ہے اک محور
بھٹکنے والوں کو منزل ملی ہے کہتے ہیں

جو دوستوں کو ملی ہے اگر نئی قوت
تو دشمنوں پہ بھی بجلی گری ہے کہتے ہیں

اگر نئی

نظامِ نو کی بناء استوار ہوتی ہے
جو پائیدار بھی مضبوط بھی ہے کہتے ہیں

خوشا نصیب کہ روح قرار جاگی ہے
طلوع ہوا ہے سویرا بہار جاگی ہے

اطمینان کا سانس

۱۹۷۳ء کے آئین پر ایک اطمینان بخش ردِ عمل

خُدا کا شُکر ہے آئین نو تکمیل تک پہنچا
نیا آغاز اپنے پہلے سنگ میل تک پہنچا

زیادہ دِن نہیں گزرے کہ ہر سو اک اندھیرا تھا
مقید ہر ضیاء تھی بادلوں کا سخت پہرا تھا
بہت دشوار تھیں راہیں نہاں منزل کا چہرہ تھا
خیال و خواب کی حد تک ہی تھا جو بھی سویرا تھا

نہ کلیاں عطر پرور تھیں نہ گل بوٹے مہکتے تھے
نہ شبنم جگمگاتی تھی نہ لالے ہی دمکتے تھے
نہ خوشے ہی ثمر ہائے چکیدہ کے لہکتے تھے
نہ مُرغانِ چمن ہی دِل لگا کر کچھ چہکتے تھے

گل و بُلبل کے افسانے بہائے طاق نسیاں تھے
شجر بھی سبزہَ پامال بھی غنچے بھی ترساں تھے
چمن کے ذرہ ہائے خاک سب حیراں پریشاں تھے
سبھی بے حال تھے اور جانب افلاک نگراں تھے

اگر کچھ دیر لگتی اور بھی دشوار ہو جاتے
سبھی حالات پیچیدہ و پُر اسرار ہو جاتے
معطل زندگی کے سارے کاروبار ہو جاتے
نمو کے سارے سوتے خشک اور بیکار ہو جاتے

تھا ڈر سرچشمۂ نشو و نما مدفن نہ ہو جائے
تہ و بالا نظام تختۂ گلشن نہ ہو جائے
گلوں کا شعلہ ہی سرمایہ گلخن نہ ہو جائے
یہ ڈر تھا آب حیواں آپ ہی ایندھن نہ ہو جائے

کہ اپنا ایک بازو کٹ گیا تھا زخم گہرا تھا
تباہی کے کنارے قافلہ بس آن ٹھہرا تھا

خزاں کا دور دورہ تھا مگر ایسی ہوا آئی
بحمد اللہ چمن میں جو بہار جانفزا لائی

ہر اک لب سے یہی بے اختیارانہ صدا آئی
تجھے لبیک ہم کہتے ہیں اے جانِ دِلآرائی

خُدا کا شکر ہے آئین تو تکمیل تک پہنچا
نیا آغاز اپنے پہلے سنگِ میل تک پہنچا
بالآخر سبزۂ پامال و خوابیدہ کو حق پہنچا
ازل کے خستہ جاں کو یہ بطور مستحق پہنچا
قریب ختم پائیں کار اک فرض اوق پہنچا
مساوات و اخوّت، عزم و ہمت کا سبق پہنچا

اب اٹھو سا تھیو اور زندگی آثار ہو جاؤ
فضائیں منتظر ہیں تم بھی اب تیار ہو جاؤ
اُڑو اور دامنِ حدِ نظر سے پار ہو جاؤ
ہاں اُٹھو خود کفیل و خود گر و خود کار ہو جاؤ

قدم کچھ تیز کر لو اپنی منزل کو نہ ترساؤ
عنانِ وقت تھامو اور مُنہ مانگے ثمر پاؤ
امنگوں کو جلا بخشو خنک جذبوں کو گرماؤ
چراغ اب تم بھی کوئی نغمۂ آتش اثر گاؤ
کہ اپنے ملک کا آئین تو تکمیل تک پہنچا
سنہری دور کا آغاز سنگِ میل تک پہنچا

آئین کا بن جانا

آئین کا بن جانا دستور کا طے ہونا
یہ منزل اوّل ہے اس پر نہ ٹھہر جانا
مقصد ہے اگر جینا مرنے کا ہنر پا جا
ہاں سوئی ہوئی اپنے اندر کی نظر پا جا
ایثار کا بندہ بن کردار سراپا بن
معروف تقاضا ہو سرتا پا تقاضا بن
بنتی ہیں قوی قومیں افکار کی قوت سے
ہوتی ہیں جواں قومیں کردار کی رفعت سے
کردار کی بے باکی، مضبوطی، توانائی !!
پوشیدہ اسی میں ہے فغفوری و دارائی
کردار کی خوبی میں تقدیر جہاں پیدا
کردار سے یہ دُنیا کردار سے وہ دُنیا
کردار کا صدقہ ہیں جنت کہ جہنم ہو
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو ساحل کہ تلاطم ہو

کردار کی قوت کا اظہار عمل پر ہے
دنیا میں ترقی کا سب بار عمل پر ہے
اُٹھ مردِ خود آگہ بن بندش سے رہا ہو جا
مصروفِ عمل ہو کر تقدیرِ خدا ہو جا
کتنے ہی جہاں تجھ سے تعمیر کے خواہاں ہیں
اُٹھ کون و مکاں تیری تسخیر کے خواہاں ہیں

تین شاعر

شاعرِ سندھ شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ

شاعرِ سندھ مجھے تجھ سے محبت سی ہے
میں نے محسوس ہمیشہ تری عظمت کی ہے
دِل میں تیرے لیے انجانی سی عزت بھی ہے

سندھ کا ہو کے بھی ہے غیر مقامی شاعر
تو صحیح معنی میں ہے ایک عوامی شاعر
تجھ سا پیدا ہے کہاں کوئی دوامی شاعر

جستجو تیری تھی آدابِ جہاں سے آزاد
عشق تھا تیرا زماں اور مکاں سے آزاد
جذبۂ شوق ترا سود و زیاں سے آزاد

باتوں باتوں میں کئے راز جو تو نے افشاء
اور حکایات سے جو بات کی تو نے پیدا
یہ کمال اور کسی شخص کے بس کا نہ ہوا

اجنبی ہوں میں تیرے شہر سے ناواقف ہوں
اس کی گلیوں کے الٹ پھیر سے ناواقف ہوں
اس کے آداب حرم و دیر سے ناواقف ہوں

یہ تمنا ہے کہ میں تیرے حسینوں سے ملوں
گلرخوں، مہروشوں، ماہ جبینوں سے ملوں
آرزو ہے تیرے محلوں کے مکینوں سے ملوں

ریگزاروں میں ترے کوہ و کمر میں گھوموں
تیری ہر بستی میں، ہر بستی کے گھر میں گھوموں
ان کے باشندوں کے میں قلب و نظر میں گھوموں

میری خواہش ہے کہ میں تیری کہانی سمجھوں
تیرے اشعار میں خود تیری زبانی سمجھوں
خود تجھی سے تیری الہام بیانی سمجھوں
دیکھئے آرزو پوری یہ ہماری کب ہو
طلبِ صادق تو ہے پھر کاربراری کب ہو

اقبالؒ کے حضور

ترے خیال کی مشعل سے یوں تو اے اقبال
ہمارے سارے ادارے سجائے جاتے ہیں
ہمارے مسجد و منبر، ہمارے کمرہ و ہال
تری ہی شعلہ نوائی سے فیض پاتے ہیں
محباورانِ علوم و سیاست و نغمہ
ترے جنوں ہی سے اپنے دیئے جلاتے ہیں
ہمارے ریڈیو اخبار اور رسائل تک
ترے کلام سے آبِ حیات پاتے ہیں
ہماری جلسہ گہیں کیا ہمارے دفتر کیا
تیری شبیہہ سے لاریب جگمگاتے ہیں
ہاں تیری روح بظاہر رواں دواں ہے یہاں
مگر وہ خونِ جگر کے تصرفات کہاں
جو شمع تو نے جلائی تھی قوم کی خاطر
وہ رفتہ رفتہ ہوئی ہے چراغ مفلس کا

جو پھول تو نے کھلائے تھے صحنِ گلشن میں
وہ سوکھ سوکھ کے سب ہو گئے ہیں کانٹا سا
خودی کا درس تھا تیرے پیام کا محور
سو بھیک کے کاسۂ دستِ سوال ہو کے رہا
ہمیں سجھائی تھیں تو نے عمل کی جو راہیں
شکار ہو گئیں وہ سب ہماری غفلت کا
نہ تیرا عشق کہیں ہے نہ تیرا ذوقِ یقیں
کہ جس سے پیدا ہو مومن وہی خمیر نہیں

باایں ہمہ مجھے اتنا یقین ہے اب بھی
ترے بتائے ہوئے راستے پہ چل کر ہی
ہماری قوم نے پایا تھا گوہرِ مقصود
ترے بتائے ہوئے راستے پہ چل کر ہی
ہمیں وہ جنتِ ارضی نصیب ہوتی ہے
ہمیشہ ہوتی ہے خونِ جگر سے جس کی نمود
جب آسمان یہ کرشمہ دکھا چکے گا تو پھر
خوشی کے پھول لیے آؤں گا میں تیرے حضور

غالب کی صد سالہ برسی پر

یہ کس کی کھوج میں فکرِ خیال انگیز ہے ساقی
سخن آرائیوں کا سلسلہ کیوں تیز ہے ساقی
یہ کس مے نوش کا ذکرِ قیامت خیز ہے ساقی
فضائے میکدہ کیوں ولولہ انگیز ہے ساقی
یہ کیسا شور ہے کس ضمن میں یہ مے پرستی ہے
یہ کیسا ہنگامہ کس تقریب میں یہ شغلِ مستی ہے

سنا ہے اک لبِ اعجاز کی صد سالہ برسی ہے
فضائے شعر کے شہباز کی صد سالہ برسی ہے
رموزِ دہر کے غماز کی صد سالہ برسی ہے
مہ و انجم کے اک ہمراز کی صد سالہ برسی ہے

وہی جس کے تصرف میں ہے دنیا بھر کی پہنائی
وہی جس کے تفکر میں دلِ انساں کی گہرائی

وہی جس کے تکلم میں وہم سیٹے کی انگڑائی
وہی فطرت نے خود سیکھی ہے جس سے عالم آرائی

وہ غالبؔ ہر قدم پر جس نے دِل والوں کو تڑپایا
وہی جس نے ہمارے دِل کے ہر گوشے کو گرمایا
بقدرِ ظرف جس کو ہر بڑے شاعر نے اپنایا
ہر اک نقاد نے غالبؔ جسے ہر رنگ میں پایا

جو فکرِ شعر میں آزاد بھی پابند بھی نکلا!
جو اپنا غم برتنے میں سلیقہ مند بھی نکلا!
غم و آلام کے چکر سے جو خورسند بھی نکلا!
جو اپنی تنگدستی ہی میں دولت مند بھی نکلا!

وہی جو ہے ہمارے دُکھ بھرے لمحات کا ساتھی
فضائے رنگ و بو میں مرتعش جذبات کا ساتھی
ہمارے نازک اور گھمبیر احساسات کا ساتھی
جو سرد و گرم ہستی میں ہے آدم ذات کا ساتھی

وہ غالبؔ جس کو ہر انساں نے اپنا رازداں پایا
مزاج آدمی نے جو بھی چاہا اُس کے ہاں پایا

خرد کی عاقبت اندیشیاں، جذبے کی شدت بھی
تصوف کا طریق وجد بھی اور رقصِ حکمت بھی
تصور کی ہمہ گیری میں بل کھاتی فراست بھی
تخیل کی بلندی میں روایت بھی بغاوت بھی
گداز فکر میں باہم تضاداتِ ذہانت بھی
تبسم کی جراحت بھی، ترنم کی حرارت بھی
سخن بے باک بھی شائستہ آداب جدت بھی
نرالی شان کے افکار میں ندرت بھی رفعت بھی
لب ولہجہ کی شہنائی میں شوخی بھی شرارت بھی
نگاہِ تیز میں شامل رواداری کی وسعت بھی
کنایوں میں خمِ کاکل اشاروں میں لطافت بھی
شگفتہ رنگ میں چبھتے ہوئے فقروں کی لذت بھی
شرابِ آگہی کی تلخیوں ہی میں حلاوت بھی
دِلِ زندہ کے فطری بانکپن کی ہر جسارت بھی
فغاں بھی جوشِ غم بھی چشمِ نم بھی اشکِ حسرت بھی
سرور و کیف بھی، سرشاری و مستی کی حالت بھی
غرض افراد نے جو کچھ بھی چاہا اُسکے ہاں پایا!
پسِ اشعار اُو اکثر خود اپنا دل نہاں پایا!

اسے زیر و بم ہستی کے ہر سُر تال نے پرکھا
زمیں کے پھیر نے جانچا فلک کی چال نے پرکھا
بدلتے وقت کی قدروں پہ ماہ و سال نے پرکھا
اسے ماضی و مستقبل کے رُخ پر حال نے پرکھا
کبھی اپنوں کے پُر فن شیوۂ پامال نے پرکھا
کبھی غیروں کے پُر اشکال استدلال نے پرکھا
مگر اُس کا کوئی ہمسر نہ کوئی ہم زباں پایا
غزل کی راہ میں اسکو امیرِ کارواں پایا

اسے ہر دور میں لوگوں نے اپنے درمیاں پایا
اسے ہر موڑ پر دنیا نے اپنا ہم عناں پایا
کبھی مردِ جہاندیدہ، کبھی اس کو جواں پایا
کبھی شیخِ حرم دیکھا کبھی پیرِ مغاں پایا
کہیں بال و پرِ ایماں کہیں صیدِ گماں پایا
کہیں اسکو چٹاں دیکھا کہیں سیلِ رواں پایا
کبھی اس کے تبسم میں جہانِ غم نہاں پایا
کبھی اس میں نشاطِ زندگی کا ارمغاں پایا

کہیں اس میں چراغِ حکمت ہندوستاں پایا
کہیں ایران کی زندہ ثقافت کا نشاں پایا

زمینِ فکرِ انساں پر یہاں پایا وہاں پایا
اور اپنے رنگ میں یکتا اسے پایا جہاں پایا

پرانی سوچ کے انداز مستحکم تھے دُنیا میں
نئی اقدار کے نغمے ابھی مدھم تھے دُنیا میں
گو سارے انقلابی داعیئے باہم تھے دُنیا میں
سمجھ سکتے اُسے جو جیتے جی سو کم تھے دُنیا میں
کہ غالبؔ کو محبت کے سوا بھی غم تھے دُنیا میں

گو رند لاابالی تھا مگر پُرکار تھا غالبؔ
چمن رازِ تمنا کا گُلِ پُرخار تھا غالبؔ
کہ میخانے میں تنہا کافر و دیندار تھا غالبؔ

خمارِ بادۂ تخلیق سے سرشار تھا غالبؔ
ہماری شاعری کا طالعِ بیدار تھا غالبؔ
نئے اُردو ادب کا نکتہ پرکار تھا غالبؔ

وہ اپنے وقت کا عہد آفریں فنکار تھا سچ ہے
کسی کی شوخیِ تحریر کا شہکار تھا سچ ہے

اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

[illegible]

محبّت ہی محبّت

اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

آتشِ جذبات سے دہکے بدن کی آن بان
اک الاؤ میں لپکتے شعلے کی جیسے کمان
[illegible]
عشوہ و انداز جیسے نامکمل داستان
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

[illegible]

اللہ اللہ آپ ﷺ کی چنچل جوانی کی اٹھان

اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان
مائل پرواز طیارے کی رَن وے پر اُٹھان
زلزلوں کے زور سے اُبھرے کوئی جیسے چٹان
جیسے سازوں سے کسی اُٹھتے ہوئے نغمے کی تان
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

آتشِ جذبات سے دہکتے بدن کی آن بان
اک الاؤ میں لپکتے شعلے کی جیسے کمان
پوچھتا ہے جسم کا ہر عضو منزل کا نشان
عشوہ و انداز جیسے نامکمل داستان
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

تمتماتے رُخ پہ اٹکھیلی حیا کرتی ہوئی
سینۂ سرکش سے شرمیلی نگہ لڑتی ہوئی

اجنبی سی سیڑھیاں دوشیزگی چڑھتی ہوئی
بجلیاں سی جسم کے ہر بند میں بھرتی ہوئی
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

حشر سا برپا شعور و شوق کے میدان میں
کھلبلی مچتی ہوئی سی سینۂ وجدان میں
سہما سمٹا سا ہر اک احساس اس طوفان میں
ایک نامعلوم سا ڈر دیدۂ حیران میں
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

جسم ہے پورے تناسب میں نہ کچھ رفتار ٹھیک
فتنے ہو پائے نہیں شاید ابھی بیدار ٹھیک
بولتا ہے رواں رواں پر نہیں گفتار ٹھیک — بولتی ہے بوٹی بوٹی
ہو نہیں پاتا ابھی جذبات کا اظہار ٹھیک
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

آپ اب باقاعدہ مجموعہ اضداد ہیں
آپ اپنے صید، اپنے آپ ہی صیاد ہیں
آپ خود بیداد گر خود کشتۂ بیداد ہیں
آپ ہی نغمہ خوشی کا آپ ہی فریاد ہیں
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

تو جوانی خیر سے رحمت بھی ہے زحمت بھی ہے
وجہ بدنامی بھی ہے یہ باعثِ وقعت بھی ہے
آپ کو اس سے محبت بھی ہے اور نفرت بھی ہے
عقل پر پردہ بھی یہ ظالم باعث وحشت بھی ہے
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

اس کے صدقے آپ ہیں مغموم بھی مسرور بھی
ہوش میں بھی ہیں بہت کچھ اور نشے میں چور بھی
اپنے قول و فعل میں مختار بھی مجبور بھی
آپ اس کمبخت سے خائف بھی ہیں مسحور بھی
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

آپ کا دل اب کھلونوں سے بہل سکتا نہیں
اب یہ فرضی داستانوں پر مچل سکتا نہیں
دھڑکنوں کا اسکی اب فرمان ٹل سکتا نہیں
لاکھ آپ اسکو سنبھالیں دل سنبھل سکتا نہیں
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

رفتہ رفتہ سہل سب دشواریاں ہو جائینگی
سنساتی آگ سب چنگاریاں ہو جائینگی

سیدھی سادی عادتیں پرکاریاں ہو جائینگی
آشنائے دوست شب بیداریاں ہو جائینگی
اللہ اللہ آپ کی چنچل جوانی کی اٹھان

مسلکِ الفت

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہونگے
ناروا طور پہ میں نے تمھیں چاہا ہوگا
صرف جذبات کا دستور نباہا ہوگا
تم سے رغبت مری ناجائز و سطحی ہوگی
اور محبت کی خلش غیر حقیقی ہوگی
لوگ کہتے ہیں تو ممکن ہے محبت میری
ہو فقط نفس بہیمانہ کی رنگیں جرأت
لرزشِ تارِ ہوس، لغزشِ احساس جواں
لذتِ یک دو نفس وصل کی دولت کا زیاں
عین ممکن ہے کہ ہو صرف جوانی کا نشہ
عین ممکن ہے کہ ہو محض نظر کا دھوکا
کچھ بہکتے ہوئے جذبوں کی مقامی ہلچل
ناتراشیدہ خیالات کا وقتی چھل بل
کیا خبر لذتِ عصیاں کا ہو چسکا مجھکو

یا ہو آوارگیٔ شوق کا لپکا مجھ کو
میں جو کچھ بھی ہوں حقیقت میں یہ دُنیا والے
کیا خبر مجھ سے بھی بہتر مجھے سمجھے ہونگے
لیکن اک بات کا مجھ کو ہے یقینِ کامل
ایک بے پایاں محبت ہے مرے دِل میں رواں
جس میں نفرت کے گزر کا نہیں کوئی امکاں
میری ہر آس ہر امید کی حامل ہے یہی
میری ہر جنبش بیدار میں شامل ہے یہی

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہونگے
لیکن ان لوگوں سے بھی مجھ کو محبت سی ہے
سخت ظالم ہے جہاں اور ہوا ہے مجھ کو!
اکثر اوقات سہاروں کی کمی کا احساس
میں نے نازک ترین لمحوں میں ہمیشہ اپنے
دِل میں محسوس محبت کی ضرورت کی ہے
میں نے یوں سوچا کہ اس دہر میں اوروں کو بھی
میری ہی طرح محبّت کی ضرورت ہو گی
میری ہی طرح تمنائے رفاقت ہو گی
اور اس جذبۂ نازک کا سہارا لیکر
میں نے اس دنیا کی ہر چیز کو چاہا جی بھر

اس کی شبنم کو شراروں کو بھی چاہا میں نے
اس کے پھولوں کو بھی خاروں کو بھی چاہا میں نے
اس کی راتوں کے اندھیروں میں مسلسل بس کر
نور پروردہ خیالوں سے محبت کر لی!
زندگی بخشی خیالوں سے محبت کر لی!
ادنیٰ و عالی و مجہول و منور سب سے
استوار ایک ہمہ گیر رفاقت کر لی!
اور تسلیم یہ بے باک صداقت کر لی!
عاشقی حدِ فراست کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی پیار و محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
جز محبت نہیں آفاق میں آب حیواں
جز محبّت نہیں کونین میں کوئی رقصاں

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہونگے
تم سے مخصوص محبت ہے جو مجھکو شاید
ان کے محدود دماغوں پہ گزرتی ہے گراں!
ان کو شاید یہ گلہ ہے کہ تمہیں کیوں میں نے
سب پہ ترجیح دی اوروں سے زیادہ چاہا!
آہ کون اُن سے یہ پوچھے کہ بتاؤ کس نے
میری آوارہ مزاجی کو توازن بخشا!

میرے ہر درد دُکھ کا مداوا بن کر
کون میرے لیے پیغامِ مسرت لایا؟
میری رغبت کا محبت سے سواگت کر کے
آرزوؤں کو میری کس نے پناہیں بخشیں؟
کس نے اس دل میں محبت کے ستارے بوئے؟
سینۂ تار کیا میرا چراغاں کس نے؟
کون تھا جس نے محبت کو محبت سمجھا؟
کون تھا جس نے رفاقت کو رفاقت جانا؟
کون تھا کون؟
ایک تم ہی نے سکھائے مجھے آدابِ حیات
پیار کیطرح کیا پیار مجھے تم ہی نے،
تم ہی نے دل کے سحر کار دریچے کھولے
اور آفاقی محبت کا مجھے درس دیا!
تم نے اُن سے بھی محبت ہی سکھائی مجھ کو
جن کے کشکول میں نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں
اور ممنون تمہارے نہیں ہوتے یہ لوگ
کس قدر بے حِس و بدہوش ہیں دُنیا والے
کتنے احسان فراموش ہیں دُنیا والے

لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہونگے

اور ان لوگوں سے بھی مجھ کو محبت سی ہے
میری الفت سہی دیوانی جوانی کا فریب
لرزشِ تارِ ہوس، لغزشِ احساسِ جواں
لذتِ یک دو نفس وصل کی دولت کا زیاں
ہاں یہ ممکن ہے کہ جذبات میں بہہ کر میں نے
یہ جہاں نوش یہ مدہوش محبت کی ہو!
لیکن اب مسلکِ الفت ہے بدلنا دشوار
میرا اب راہ محبت سے ہے ٹلنا دُشوار
چھوڑ کر قصۂ پارینۂ خیر و شر کو
تجھ کو چاہوں گا میں چاہوں گا زمانے بھر کو
یہ اگر جرم ہے تو مجھ کو سزائیں منظور
یہ گناہ ہے تو جہنم کی ہوائیں منظور

میں کیا جانوں

میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری و ساری لگتی ہو

بالکل ہوں سمجھنے سے قاصر دِل کیسے تم پر آیا ہے
کیوں آگ لگی ہے سینے میں کیوں دِل کو سلگنا بھایا ہے
کیوں فکر و نظر کی دُنیا پر تمہارا تصوّر چھایا ہے
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری و ساری لگتی ہو

تم عطر ہو کن گلزاروں کا تم نُور ہو کن مہ پاروں کا
تم لے ہو کون سے نغموں کی تم نغمہ ہو کن تاروں کا

کس دُنیا کا مہتاب ہو تم خورشید ہو کن سیاروں کا
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو !
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری و ساری لگتی ہو

تم کن کرنوں کا پیکر ہو کن رنگوں کی تصویر ہو تم
کن میخانوں کی مستی ہو کن طوروں کی تنویر ہو تم
حیران ہے نظر معلوم نہیں کن ہاتھوں کی تحریر ہو تم
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو !
کیوں رگ رگ میں کیوں نس نس میں تم جاری و ساری لگتی ہو !

کیا قوسِ قزح کی جھولی سے تم نے یہ رنگ چرائے ہیں
آغوشِ شفق سے کیا تم نے یہ پھول سنہرے پائے ہیں
یا لالہ و گُل کی محفل سے رنگیں لمحے اُچکائے ہیں !
میں کیا سمجھوں میں کیا جانوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو !
کیوں رگ رگ میں کیوں نس نس میں تم جاری و ساری لگتی ہو

کس بستی کی شہزادی ہو کیا باغِ بہشت کی حور ہو تم

ہر دل میں مکیں شہ رگ سے قریں ہو کر بھی کتنی دور ہو تم
کیا ایک طلسمی پیکر ہو موجود ہو تم مستور ہو تم
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو !
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری وساری لگتی ہو

کیا اس دُنیا میں بستی ہو کیا تم بھی اسی میں رہتی ہو
کیا تم بھی ہماری طرح یہاں جینے کی مصیبت سہتی ہو
منہ زور مقدر کی لہریں کیا تم بھی انہیں میں بہتی ہو
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری وساری لگتی ہو

پابند ہو کیا ہم سب کی طرح ان صُبحوں کی ان شاموں کی
کیا تم بھی ہو محتاج یہاں آغازوں کی انجاموں کی
کیا تم بھی جھگڑی ماری ہو ناگفتہ بہ ہنگاموں کی !
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو
کیوں رگ رگ میں کیوں نس نس میں تم جاری وساری لگتی ہو

کیا تم بھی ہو مجبور یہاں کیا تشنہ و ترساں تم بھی ہو
کیا مثلِ انساں تم بھی ہو حیراں و پریشاں تم بھی ہو
کیا تم کو بھی خود سے نفرت ہے کیا خود پہ پشیماں تم بھی ہو
ہائے کیا سمجھوں میں کیا جانوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری وساری لگتی ہو

تم اس دُنیا کی چیز نہیں اس عالم کی تم شے کب ہو
اس گلشن کا تم پھول کہاں اس میخانے کی مے کب ہو
ان ارض و سما میں تھراتے ہوئے نغموں کی تم لے کب ہو
میں کیا جانوں میں کیا سمجھوں
کیوں اتنی اچھی لگتی ہو کیوں اتنی پیاری لگتی ہو
کیوں نس نس میں کیوں رگ رگ میں تم جاری وساری لگتی ہو

ماضی بھی حسیں ہوتا ہے بہت کیا بیتے دِنوں کی یاد ہو تم
یا حال کے جابر لمحوں کی پیدا شدہ اک فریاد ہو تم
یا مستقبل میں آنے والی ایک حسین ایجاد ہو تم
میں کیا سمجھوں میں کیا جانوں

فراق وجنوں

یقین مانو تو اے جانِ انتظار کہوں
میں تم سے قصۂ جانکاہیٔ فراق وجنوں
جو اذن ہو تو میں آشفتگی کی بات کروں
تیرے وجود سے وابستگی کی بات کروں
جو حکم ہو تو جدائی کے غم بیان کروں بیاں کردوں
جو کچھ گزرتی ہے دل پر اسے عیاں کردوں
شکستہ خاطری وخستگی کی بات کروں
تباہ حال وزبوں زندگی کی بات کروں
جو تم کہو تو میں تجدیدِ داستاں کرلوں
پھر آج رقص پہ مائل دل و زباں کرلوں
میں اپنا حالِ دگرگوں بے اختیار کہوں
یقیں مانو تو اے جانِ انتظار کہوں

یہ سچ ہے وحشتِ دل کا سمیٹنا ہے محال
تخیلات کے دفتر لپیٹنا ہے محال

کڑے ہیں یہ سچ ہے مطالباتِ فراق
بیان کرنا ہے مشکل معاملاتِ فراق
مگر میں اتنا تو بتلا ہی سکتا ہوں پھر بھی
کہ تم ہو جان سے پیاری مجھے جہاں سے عزیز
پسند حد سے زیادہ، فزوں گماں سے عزیز
بہشت سے بھی منزہ ہو موہنی تم ہو
مرے جہانِ تمنا کی سوہنی تم ہو

ترے وجود کی ہر چیز ہے نرالی سی
ہر اک ادا تیری مبہوت کرنے والی سی
بدن میں سیمیا رعنائی بھی ہے پھرتی بھی
ہے شیرنی کی تڑپ بھی ہرن کی چستی بھی
ہر اک ابھار مؤثر ہے زاویہ دلکش
ترا بدن ہے مکمل کھچا ہوا ترکش
تری کمر میں ہے قوسِ قزح کا بل پیدا
ترے خرام میں ہے مورنی کا چھل پیدا
زمین و آسماں تجھ سے قدم ملاتے ہیں
مہ ومہر تری ٹھوکر کو ترسے جاتے ہیں
مجھے یقیں ہے کہ سہواً زمیں پہ آئی ہو
کہیں نشے میں مشیت نہ لڑکھڑائی ہو

ہیں تیری زلف کے سائے میں رقص گاہیں سی
دلِ خرابِ الم کو ہیں جو پناہیں سی
بدلتے رنگ جہاں دھوپ چھاؤں کا منظر
نظر نواز نظاروں میں پیش کرتے ہیں
سنہرے گال دمکتے ہیں تمتماتے ہیں
یہیں لبوں کے دو شعلے سے تھرتھراتے ہیں
ہیں برق پاشِ تبسّم کی رسد گاہیں یہیں
لپکتی پھرتی ہیں ہوش آزما نگاہیں یہیں
وہ جن میں آگ بھی پنہاں ہے اور ٹھنڈک بھی
ہے آبِ نور بھی اور بجلیوں کی چشمک بھی
حیاتِ عشق یہیں بنتی اور بگڑتی ہے
خدائی ساری یہیں ڈوبتی اُبھرتی ہے

ادا ادا میں تری حسنِ بے مثال بھی ہے
تو شوخ و شنگ بھی ہے اور خوش خصال بھی ہے
یہی نہیں کہ فقط پیکرِ جمال ہے تو!
عمل نہاد ہے تو قوتِ فعال ہے تو!

ترے سراپے میں ہے نور و نار کا سنگم
ترے گناہ میں بھی کارِ ثواب کا عالم

علیم فضلِ زمان و مکاں تری مستی
علاجِ زخمِ غمِ دو جہاں تری ہستی
تو اعجاز ہے تجھے جان لینا ہی بس ہے
اِلٰہ و لیل تجھے مان لینا ہی بس ہے

اک ایسا وقت بھی تھا اجنبی تھے ہم دونوں
اک ایسا وقت کہ جس میں مرا یہ حال نہ تھا
کسی حسیں سے الجھنے کا کچھ خیال نہ تھا
نہ دل میں شدتِ احساس کا تلاطم تھا
کسی کے آنے کی پروا نہ جانے کا غم تھا

پھر ایک دور وہ آیا کہ مضمحل دل تھا
میرے شعور میں اک پیچ و تاب کامل تھا
زبان پہ تشنگیٔ ذوق کی شکایت تھی
لبوں پہ بے بسیٔ شوق کی حکایت تھی!
حیات ایک بے آب و گیاہ صحرا سی
نظر جو آتی تو وحشت سی ہونے لگتی تھی
اچانک ایک دن تم سے مرا ملاپ ہوا
شروع نیا مری ہستی کا ایک باب ہوا
وہ باب جس میں تری آفتاب آرائی
تمام عمر کی تاریکیاں نکھار گئی

تو جب تلک نہ ملی تھی چمن اُداس رہے
رُکا رُکا سا جنوں بے خبر حواس رہے
کنول کے تھال ہیں کرنیں لیے امیدوں کی
کبھی نہ میرے لیے نازنیں سحر آئی
میرے جوان افق پر حسین شاموں کی
کبھی نہ پھُول سی رنگیں زلف لہرائی
تو جب تلک نہ ملی ہر خلش رہی بے نام
میری ہر آرزو ہر سعئ جذب دِل ناکام
دِل ونظر کے تقاضے مجھے نہ راس آئے
ہیں کتنے چاند ستارے مجھے نہ کچھ بھائے
مرے مزاج میں گُم کوئی گلبدن نہ ہوئی
مرے لہُو میں رواں کوئی سیم تن نہ ہوئی
یہ تیرے مِلتے ہی ایسا مجھے گمان ہُوا
کہ جیسے دفعتاً سارا جہاں جوان ہُوا
بس ایک پل میں اچانک بدل گئی ہر شے
ترے شباب کے سانچے میں ڈھل گئی ہر شے

پھر اس کے بعد مرا حشر کیا ہوا مت پوچھ

ترے کرم نے کچھ اس طرح انتخاب کیا
مجھ کو اور یُوں مجھی ہی کو فیضیاب کیا

نہ مجھکو

کہ آج تک مرے سر میں خمار باقی ہے
گزر گیا وہ زمانہ بہار باقی ہے
نظر نظر تری یادوں کے دیپ جلتے ہیں
نفس نفس تری صورت کے نقش ڈھلتے ہیں
تو ہی ہے آج بھی میری وفاؤں کا مرکز
مرے خرد کا تقاضا جنون کا محور!
ہے لوحِ دِل پہ مرے نقشِ پائیدار تو ہی
خزاں نصیب ہیں باقی سدا بہار تو ہی
زمانے بھر میں تو ہی ایک ہے مری محبُوب
سوائے تیرے مجھے اور کچھ نہیں مطلوب
چلی بھی آ کہ یہ فرقت سہی نہیں جاتی
تری جُدائی کی ذلت سہی نہیں جاتی
ترے بغیر ہے ویران سبزہ زارِ حیات
ترے بغیر ہے دُشوار کارو بارِ حیات
ہے سانس لینا بھی مشکل ترے بغیر مجھے
یہ کائنات ہے مہمل ترے بغیر مجھے
بس ایک دُھن ہے کہ زُلفیں تری سنواروں پھر
میں تیری باہوں میں لمحات کچھ گزاروں پھر
ترا وصال، ترا قُرب، ترا لمس ملے
پھر ایک بار مری آرزو عمل میں ڈھلے

چلی بھی آ کہ وہ جینے کی رمز ہاتھ آئے
کہ میری زندگی پھر موت سے نہ شرمائے

چلی بھی آ کہ محبت کا بول بالا ہو!
شبِ حیات میں اک بار پھر اُجالا ہو
پھر ایک بار مجھے مستعار دے خود کو!
ذرا سی دیر پھر اپنی بہار دے مجھکو

ذرا سی دیر ہی دُنیائے اعتبار ملے
ذرا سی دیر ہی جینے کا اختیار ملے
چلی بھی آ کہ وفائیں پکارتی ہیں تجھے
مری غریب دُعائیں پکارتی ہیں تجھے
لگائے تجھ ہی سے لو صبح و شام جلتا ہوں

چراغِ بزمِ وفا ہوں مدام جلتا ہوں
یقین مانو تو اے جانِ انتظار کہوں

اب آؤ مُجھے تم پیار کرو

مجھ کو نہ جنوں آثار کرو
جینا نہ مرا دشوار کرو
شرماؤ نہ اب اقرار کرو
ھاں اُلفت کا اظہار کرو
اور آؤ مُجھے تم پیار کرو

کیا کہیئے کیا کیا سہتا ہوں
کیوں کھویا کھویا رہتا ہوں
جو دِل میں ہے تم سے کہتا ہوں
جینا نہ مرا دُشوار کرو
اب آؤ مجھے تم پیار کرو

تنہا ہوں کہ کوئی ساتھ نہیں
ہاتھوں میں کسی کا ہاتھ نہیں

کیا رونے کی یہ بات نہیں
مجھکو نہ جنوں آثار کرو!
اب آؤ مجھے تم پیار کرو

انساں ہوں محبت چاہتا ہوں
تنہا ہوں رفاقت چاہتا ہوں
تسکین کی دولت چاہتا ہوں
شرماؤ نہیں اقرار کرو
اور آؤ مجھے تم پیار کرو

الزام کہیں دھرتے نہ بنی
کچھ کرنا تھا کرتے نہ بنی
مرجاتا مگر مرتے نہ بنی
جینا نہ مرا دُشوار کرو
اب آؤ مجھے تم پیار کرو

منزل ہے اپنی دُور ہوں میں
حالات ہیں وہ معذور ہوں میں
صدمات سے یکسر چور ہوں میں
انکار پہ مت اصرار کرو
اور آؤ مجھے تم پیار کرو

بے نام سی حالت طاری ہے
دل تاب و تواں سے عاری ہے
اب اک اک لمحہ بھاری ہے
جینا نہ مرا دُشوار کرو
اب آؤ مجھے تم پیار کرو

سُکھ چین نہیں آرام نہیں
اس دل میں سکوں کا نام نہیں
گو سچّی محبت عام نہیں
تُم الفت کا اظہار کرو
اور آؤ مجھے تم پیار کرو

مجھے تم یاد آتی ہو

حسیں منظر کوئی جب دیکھتا ہوں لالہ زاروں میں
پہاڑی وادیوں میں ، رقص کرتے آبشاروں میں
زمیں کے ماہ پاروں میں فلک کے چاند تاروں میں
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو !

سہانی شام جب رنگیں افق پر لہلہاتی ہے
تمازت ڈوبتی کرنوں کی جب تانیں اُڑاتی ہے
شبِ تازہ مہ و انجم کی جب سوغات لاتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

شب (۱) ہتاب میں ہر چیز جب فانوس ہوتی ہے
فضا سب چاندنی جالی میں جب ملبوس ہوتی ہے
مجھے اپنی کسی شے کی کمی محسوس ہوتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

(۱) مہتاب

حسیں آسماں پر جب ستارے جھلملاتے ہیں
سہانی شب میں جب جھونکے ہوا کے گیت گاتے ہیں
خدا والے بھی جب اپنے خدا کو بھول جاتے ہیں
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

کوئی آوارہ بادل چاند سے جب پیار کرتا ہے
ستارہ جب کوئی تاریکیوں پر ٹوٹ گرتا ہے
ہوا کا کوئی جھونکا پھول سے جب بات کرتا ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

شعاعِ مہر جب کلیوں کے پہلو گدگداتی ہے
نہا کے نور میں جب صبح نو عشوے دکھاتی ہے
اِن آنکھوں میں کوئی اُٹھتی جوانی گھوم جاتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو!

کسی صحرا میں جب تنہا کوئی اک پھول کھلتا ہے
پہاڑوں کی چٹانوں سے کوئی چشمہ اُبلتا ہے
گلوں کی جستجو میں جب کوئی بھنورا نکلتا ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

اداؤں میں محبت بھر کے جب سنگھار کرتی ہے
تغافل کی نظر سے جب کسی پر وار کرتی ہے
کسی بچّہ کو جب کوئی حسینہ پیار کرتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو!

نگاہوں کو جھکا کر سینے پہ آنچل گراتی ہے
بہکتی ہے سنبھلتی ہے ٹھٹھکتی لڑکھڑاتی ہے
کسی سے بات کرتے وقت یا پھر ہچکچاتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

نشانہ تاک کر برقِ نگہ سے کام لیتی ہے
یا شرماتے لجاتے جب کسی کا نام لیتی ہے
یا جب چھُپ چھُپ کے دنیا سے کوئی پیغام لیتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو!

مجھے رہ رہ کے جب اپنی یہ تنہائی ستاتی ہے
ہر اک شے اجنبی ماحول کی آنکھیں دکھاتی ہے
مری آہ و فغاں جب بے بسی میں ڈوب جاتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

کسی کو التفاتِ دل کے جب قابل نہیں پاتا
زمانے بھر میں جب میں کوئی ہم منزل نہیں پاتا
محبت میں کسی کو جب بھی میں ہمدل نہیں پاتا
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

میں اپنی کوششوں میں جب کبھی ناکام ہوتا ہوں
مسلسل جب شکارِ وحشتِ آلام ہوتا ہوں
بہت گمنام رہنے پر بھی جب بدنام ہوتا ہوں
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو!

اچانک جب کوئی امید چکنا چور ہوتی ہے
مسافت سخت ناہموار منزل دور ہوتی ہے
بھیانک سوگ پر جب زندگی مجبور ہوتی ہے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو!

کسی سے جب بچھڑتا ہے کوئی نامہرباں ہوکر
کسی کو بھولتا ہے جب کوئی روحِ رواں ہوکر
اچانک دور ہوتا ہے سکونِ جسم و جاں ہوکر
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو

کسی کے دل سے جب نقشِ حسیں کوئی مٹا ڈالے
اور ارمانوں، تمناؤں کی بنیادیں ہلا ڈالے
کسی کا جب چراغِ آرزو کوئی بجھا ڈالے
مجھے تم یاد آتی ہو مجھے تم یاد آتی ہو!
مجھے تم یاد آتی ہو
مجھے تم
یاد آتی ہو
مجھے
تم
یاد
آتی
ہو!

خوشی سے آؤ ہم تم آتشِ فرقت میں جل جائیں

خوشی سے آؤ ہم تم آتشِ فرقت میں جل جائیں

ملے یونہی اگر جورِ مقدر سے اماں اچھا
جو ٹل جائے اسی پر ہم سے غیضِ آسماں اچھا
اسی سے خوش اگر ہو وقت کا فرمانروا اچھا
بہل جائے جو اتنی بات سے اپنا خدا اچھا

اگر اتنی سی قربانی سے کچھ انساں خوشی پائیں
اگر بگڑے ہوئے حالات کچھ یونہی سدھر جائیں
اگر بھولے ہوئے کچھ لوگ اس سے راہ پر آئیں
تو آؤ ہم خوشی سے آتشِ فرقت میں جل جائیں

بہت مشکل سہی لیکن بچھڑ کر آؤ جی لیں ہم
نگاہوں کو سکھائیں خامشی اور ہونٹ سی لیں ہم

بھلا دیں بھول جائیں پیار کی ساری دلیلیں ہم
محبّت کے لیے اب زہرِ فرقت آؤ پی لیں ہم

یہی کافی نہیں بچھڑے ازل کے آ ملے ہم تم
ملے بیٹھے گلے شکوے سنے، روٹھے منے ہم تم
ہوئے یک جان و دو قالب ہم روئے ہنسے ہم تم
کبھی کھیلا کیے باہم کبھی گھومے پھرے ہم تم

نہ جانے کتنی بار اس مختصر دوراں میں آئے
ہمارے سامنے سُورج ستارے چاند کے سائے
ازل سے تا ابد پھیلے ہوئے لمحوں کے ہملئے
ہمارے دو دِلوں نے پیار کے کیا کیا نہ گن گائے

ملے جب بھی تو ہم دونوں زمین تا آسماں گھومے
افق سے تا افق پہنچے مکان و لامکاں گھومے
بیابانوں میں کھوئے دشت و در کے درمیاں گھومے
مری جاں ہم بہت کچھ گلستاں در گلستاں گھومے

لہٰذا اجنبی بن کر اگر اب ہم کو جینا ہے
تو یہ بھی اک محبت ہی برتنے کا قرینہ ہے

مختلف عناوین

یو ۔ این ۔ او

ایک تاریخی پس منظر

یہ آسمان ، یہ زمیں ، خلا ، فضائے بیکراں
یہ بادلوں کے کارواں ، ہواؤں کی روانیاں
افق افق پہ یہ شفق کی سُرخ نقش کاریاں
فلک فلک پہ یہ نجوم و ماہ کی سواریاں
جگہ جگہ یہ آبشار ، لالہ زار ، ندیاں
قدم قدم یہ کوہسار ، سبزہ زار وادیاں
یہ معدنی ذخیرہ جات سے بھرا ہوا جہاں
یہ دولت عناصر اور ان کی رنگا رنگیاں
یہ روز و شب کی گردشیں یہ صبح و شام کا سماں
یہ کائنات کا نظام مستقل رواں دواں
یہ زندگی کا دائرہ چھپا چھپا عیاں عیاں

هر ایک شے میں ہے مخفی جلی حیات کا نشان
نمایاں حیوانات میں گل و گلاب میں نہاں
نفس، نفس وجود اور عدم کی کھینچا تانیاں
لڑائیاں سی موت اور زندگی کے درمیاں
یہ کشمکش یہ چپقلش ہی زندگی کا راگ ہے
تنازع للبقا ہی کائنات کا سہاگ ہے

یہ کشمکش ہی باعث فروغ آدمی بنی
یہ ارتقا کی جنگ ہی سرودِ زندگی بنی
اس ارتقا کی جنگ میں جو ایک موڑ آگیا
اچانک آدمی جہان رنگ و بو پہ چھا گیا
جہاں پہ چھا کے آدمی خلیفۂ خدا بنا
جہاں کا راہبر بنا جہاں کا راہنما بنا رہنما
مہ و مہر ستارہ و کواکب آشنا بنا
خرد کے بل پہ اشرف خلائق خدا بنا
کبھی جنون و جذب میں پیامبر فنا بنا
کبھی خودی کے جوش میں بزعم خود خدا بنا
مگر شرف ہی اُس کا یہ وبال جان ہوگیا
سکونِ جان نہ بن سکا غمِ جہان ہوگیا

[illegible] ہا، جب کسی بھی دشمن و رقیب کا
[illegible] نے آدمی ہی کو ہدف بنالیا
[illegible] نے جنگ تھی یہ انفرادی چیز تھی
[illegible] ہوا کہ یہ بلا بھیر اجتماعی بن گئی

[illegible] شرف یہ آدمی ہی کو ملا ہے حیوانات سے
[illegible] نوع نوع ہو کے یہ لڑے خود اپنی ذات سے
[illegible] قبیلہ اک قبیلے سے فنا کے واسطے
[illegible] یہ ابتدا میں تھی مگر بقا کے واسطے
[illegible] اقتدار کے لیے لڑائیاں لڑی گئیں
توہمات کے سبب تباہیاں بپا ہوئیں
توہمات پڑھ کے کچھ جو مذہبی جنون بنے
تو مذہبی لڑائیوں کے سلسلے شروع ہوئے
مگر قدم جدید دور میں جو نہی رکھا گیا
تو ملک کے مفاد کو مقام مرکزی ملا
قیامتیں بپا ہوئیں زمین و آسمان پر
کروڑوں گردنیں کٹیں وطن کی آن بان پر

غضب ہوا اک اور بھی شریک علم نو ہوا
صدائیں انقلاب کی ہوئیں بلند جا بجا

لو انقلاب آگیا وہ انقلاب آگیا
شعور و لاشعور میں تصورِ جنون میں
جدید علم نفس کے ظواہر و بطون میں
حیاتیات کے پیامِ ارتقا کی شکل میں
رموز جنسیات میں نمود رنگ و نسل میں
تغیرات کون میں ثبات میں سکون میں
صغیر اور کبیر صنعتوں میں اور فنون میں
طبیعیات و برقیات کے تصورات میں
حیاتیاتی کیمیا کے علم و تجربات میں
سیاسی، اقتصادی نظریات کے ظہور میں
معاشرت کے سارے پہلوؤں کی چھان بین میں
علاج کے طریقوں ادویات کے حصول میں
طوالتِ حیات میں، سہولتِ ممات میں
طریقِ صلح، لوازمِ جدید کشت و خون میں
نظامِ کائنات پر انوکھے تجربے ہوئے
جہانِ موجودات میں اضافہ ہائے نو ہوئے

غضب ہوا اک اور بھی شریک علم نو ہوا
مہیب ایجادات کا عظیم سیل پھٹ پڑا

ہر ایک ذرہ زد میں تھا تغیرِ عظیم کی
لو انتشار جنگ نے بھی صورت مہیب کی
ٹینک وہ جہاز تھے لیے ہوئے میزائلیں
ایٹمائی اسلحے وہ دور مار راکٹیں
حیاتیاتی، کیمیائی جنگ کی بنا پڑی
ضمیر آدمی پہ ایک چوٹ تھی کہ آ پڑی
رہا نہ جب فرسِ حیات کا صحیح مقام پر
نہ پا ہے رکاب میں نہ ہاتھ ہی لگام پر
صداقتیں چمک اٹھیں تباہیوں کی سان پر
تو خود بخود اٹھی نگاہ امن پر امان پر

طنابیں کائنات کی تنیں تو تنگ ہو گئیں
جو وسعتیں سمٹ گئیں تو رفعتیں بھی جھک گئیں
کہا گیا تمیزِ نسل و ملک ختم ہو گئی
ہیں شرق و غرب ایک جب جہان کیوں نہ ایک ہو
بقائے آدمی کی داستان کیوں نہ ایک ہو
زمین تمام اشتراک کا جہان بن گئی
ہے یو۔ این۔ او بھی اس خیالِ عام ہی کی اِک کڑی
گو خام ہے مگر ابھی سنبھلنے کی امید ہے
جہاں میں آدمی کے کچھ پنپنے کی امید ہے

چڑھتی قیمتیں

بھرے بازار کو گرما رہی ہیں
قیامت پر قیامت ڈھا رہی ہیں
زمیں پر کب قدم ہیں قیمتوں کے
ہوا سے گفتگو فرما رہی ہیں
شکار ان کے تڑپتے ہیں زمین پر
خبر یہ آسماں کی لا رہی ہیں
غریبوں کی امیدوں کے گھروندے
یہ ظالم روند کر اترا رہی ہیں
اُدھر گھر بار جلتے ہیں ادھر یہ
بجا کر بانسری لہرا رہی ہیں
ہیں ایسی سنگدل غم کو ہمارے
مسلسل گدگدائے جا رہی ہیں
سر بازار کد کارے لگاتی
ہمارے ہوش مارے جا رہی ہیں

۱ اُچھالے ہیں کچھ ایسے ہاتھ پیراب
لُقمہ لوگوں کے مُنہ کو آ رہی ہے
۲ اڑی ہی سادہ ھلف طی سے ہم کو
طلسم ذات میں اُلجھا رہی ہیں
۳ ہوئے ہیں سارے کاروبار چوپٹ
وہ اخلاقی تباہی لا رہی ہیں
۴ ہیں چالاک ست ایسی چپکے چپکے
صحیح اقدار کو جھلسا رہی ہیں
۵ جو تھا موجود اک رشوت کا فیشن،
اسے گھر گھر میں اب پھیلا رہی ہیں
۶ صلائے عام ہے یارانِ زر کو
کہ آؤ رقص ہم فرما رہی ہیں
۷ دلا کر نفع زائد کا تصور
دلِ زردار کو برما رہی ہیں
۸ دکانداروں کے پوبارہ ہیں جن کے
سُروں سے سُر ملائے جا رہی ہیں
انہیں چھب ہی نئی دکھلا رہی ہیں
مگر کچھ خادمانِ بے ریا کو
پریشانی ہیں جکڑے جا رہی ہیں
چھڑاتی ہیں اِدھر صارف کے چھکے

مرشناطی

زمینداروں سے گیری چھن رہی ہے
انہیں چھب ہی نئی دکھلا رہی ہیں
ادھر جو تھوک بیوپاری ہیں ان
کھلا ہاتھوں سے ہن برسا رہی ہیں

ادھر معروف کو بہکا رہی ہیں
جو ہے محنت کشوں سے بیر ان کے
مزاجرت کو بس گھنا رہی ہیں
ملازم پیشہ لوگوں سے جو چڑھے ہے
انہیں ناکوں چنے چبوا رہی ہیں
جو کچھ کم قیمتیں ہیں ساتھ اُنکے
بڑھے جانے پہ اور اُکسا رہی ہیں
ہے پیداوار تو کم کم مگر یہ
بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہیں
اور اپنی راست اقدامی کے حق ہیں
سند سارے جہاں کی لا رہی ہیں
نہیں پیدل ہمیں چلنے یارا
یہ بیٹھی کار ہیں اِٹھلا رہی ہیں
چراغ ان کو خُدا پر چھوڑ دو تم
کہ یہ اب حد سے نکلی جا رہی ہیں

کوئی نہ پوچھے بات ہماری

کوئی نہ پوچھے بات ہماری کوئی نہ پوچھے بات
ہم وہ قسمت کے دھتکارے
پھرتے ہیں جو مارے مارے
کیا دِن اور کیا رات ہماری کوئی نہ پوچھے بات

شہرت، دولت، زور نہیں ہے
غم کے سوا کچھ اور نہیں ہے
یارو اپنے ہات ہماری کوئی نہ پوچھے بات

دنیا پر رونق کی چڑھائی
میں ہوں اور مگر تنہائی
کون دے اپنا ساتھ ہماری کوئی نہ پوچھے بات

اُتری اُتری بے جا صورت

جیسے پتھر کی اک مورت
اک مُردے کی ذات ہماری کوئی نہ پوچھے بات
بے رونق بے رونق چہرہ
پژمردہ پژمردہ مُہرہ
جذبہ نہ جذبات ہماری کوئی نہ پوچھے بات
دُکھ سے سارا جیون بوجھل
آتے ہی جاتے ہیں مسلسل
غم پر غم دن رات ہماری کوئی نہ پوچھے بات
کوئی نہ پوچھے بات ہماری کوئی نہ پوچھے بات

سعیِ پریشاں

رات کا وقت ہے خاموش ہے ساری دُنیا
میں بھی چُپ چاپ سا بیٹھا ہوں اکیلا تنہا
گمُ ہوں اِس سوچ میں یہ اُڑتے غبارے کیا ہیں
یہ زمیں چیز ہے کیا چاند ستارے کیا ہیں
تیرہ و تار فضاؤں میں معلق شعلے
یہ دہکتے ہوئے خوں پوش الاؤ جانے
کتنی صدیوں کا لہو پی کے فروزاں ہو پائے
نیلے افلاک پہ اُبھرے ہوئے پیلے چھالے
دہن خورشید کے رقصندہ شراروں کا ثمر
جانے ہیں منتظر نشتر و مرہم کب سے
سوچتا ہوں یہ سلگتی ہوئی روشن آنکھیں
کیا پتہ کب سے کسی بوسۂ شیریں کی ہوس
اپنے سینوں میں لیئے چار طرف ہیں نگراں
کائنات اپنے وسیع دوش پہ اتنی ساری

جلتی لاشیں لیے کیوں شام وسحر ہے رقصاں
کپکپاتی ہوئی، سہمی ہوئی لرزاں لرزاں
دامِ اثیھر میں گرفتار فضائیں کیوں ہیں
سوچتا ہوں کہ یہ دُنیا یہ ہماری دھرتی
خاک کی ڈلے ہوئے مُنہ پہ دریدہ سی نقاب
بے تکے پن سے جو گھومے چلی جاتی ہے کہیں
جانے کمبخت کی منزل بھی کوئی ہے کہ نہیں

سوچتا ہوں کہ بہم دست وگریباں پیہم
مشعلہ و دود، ترو خشک جہاں میں کیوں ہیں
برق کیوں کھیلتی پھرتی ہے فضا میں ہولی
آگ اور خون کی ؟ کیوں ابرو ہوا صبح و مسا
چھوڑتے پھرتے ہیں ہر سمت دھواں اشک آور
اپنی آغوش میں صدیوں کے کھنڈر دفنائے
کیوں مچلتے ہیں سمندر میں خطرناک بھنور
یہ خم و پیچ مقامات، نشیب اور فراز
وادیاں گہری گھناؤنی بھی حسیں بھی شاید
یہ پہاڑوں پہ سلاخوں کے نشانات جلی
رُخِ سنگین کی جھریاں کہ جبیں کی شکنیں
روحِ بے چین کی اینٹھن کی علامت تو نہیں

اور یہ زندگی، یہ رازِ برونِ پردہ
کہنہ و نو کے تصادم سے اُبھرنے والی
سلسلۂ لمحوں کی پُر اسرار حسینہ جیسے
دوش و فردا کے گھنگھروؤں سے سجا کر پاؤں
حال کی تال پہ دُنیا کو نرت چھب دکھلائے
یا جیسے وقت کی آواز مجسّم ہو کر
زینۂ عالمِ امکان پہ چڑھتی جائے
آئینہ خانۂ ایام مدور جس میں
منعکس کچھ تو ہے بچپن کے کھلونوں کی ٹھنک
اور کچھ موجۂ طوفانِ شباب خود سر
کچھ بڑھاپے کے لرزتے ہوئے پھیکے تیور
کون جانے یہ حقیقت ہے یا بس خواب و خیال

اور یہ انسان، یہ شہ کارِ حیاتِ فانی
اجنبی دیس میں آوارہ پریشان راہی
صورتِ ماہی بے آب تڑپ کا خوگر
جس کی پونجی ہے فقط دل کا وہ کانٹا جس پر
قسمتِ ہر نفس کون و مکاں تُلتی ہے
اک طرف حور و فرشتہ کے بہشتی پیکر
دُوسری سمت شیاطین کا بھاری لشکر

سبھی رہتے ہیں اسی دل پہ ترازو ہو کر
کون جانے کہ اس انساں کا مقدر کیا ہے
مرد کے روپ میں فولاد کا حرکی پتلا
بت گر و بت شکن و کوہکن و خارہ تراش
لیکن اک نار جو ہلکے سے بھی چھو کر نکلے
مرمریں آنچ سے بن جائے وہیں موم کا ڈھیر
اپنے قدموں پہ فرشتوں کو جھکانے والا
اہرمن و یزداں کی توجہ کا دوامی مرکز
بنت حوا کی غلامی سے رہا ہو نہ سکا

اور پری چہرہ حسینانِ جہان خوش رنگ
شعلہ و شبنم و یک موج شراب و آتش
چلتے پھرتے یہ سرو صنوبر. صندل
بولتے چالتے مہ پارے. شرارے. شعلے
عشوہ، غمزہ و انداز و ادا سب قاتل
یہ صنم، دیویاں. خلاق بھی غارت گر بھی
کون جانے ہیں محض پھول یا انگارے بھی
کون جانے کہ یہ تعمیر میں مضمر تخریب
کس حقیقت کی ہے مظہر، میں یہی سوچتا ہوں

دل پوشیدہ سر پردہ غم بن کیوں ہے
لوٹتے اور ابھرتے ہوئے چشم عالم
روشنی پا کے بھی کیوں خون فشاں رہتی ہے
خوف کیوں تاک میں پھرتا ہے امیدوں کی مدام
اور کیوں چین سے جینے نہیں دیتے اوہام
زندگی بے مثل اقدار کے باوصف یہاں
خاک اور خوں میں غلطاں نظر آتی کیوں ہے
اور کیوں اپنے کچھ مدقوق خیالوں کے چراغ
یوں جلائے چلی جاتی ہے کہ جیسے سچ مچ
موت کی تند ہوائیں نہ بجھائیں گی انہیں

سوچتا ہوں کہ الٰہی یہ تماشا کیا ہے
ساغرِ زیست سو اخلاص کی مے سے خالی
زندگی تنگیِ داماں کی ازل سے نالاں
اور محبت کے تقاضوں سے گریزاں بھی ہے
حسن پابند ملامت بھی ندامت بھی ہے
عشق نخچیر تمسخر بھی ہے تضحیک بھی ہے
سوچتا ہوں کہ زمانے میں وہ قدریں رسوا
کیوں ہیں جو آگ کو پھولوں کا مقدر دے دیں
بھکا بھکا ہوا کیوں رہتا ہے انسان کا شعور

بھٹکی بھٹکی ہوئی کیوں عقلِ جہاں پھرتی ہے
راہ گم کردہ ہے کیوں طائرِ تخییلِ لطیف
چشمِ مشتاقِ صداقت ہے کیوں حیراں بنظر
رُوحِ انصاف ہے آوارہ خرابوں میں کیوں
اور چنگیزیت کیوں پاتی ہے مُنہ مانگے ثمر
ان تضاداتِ پراسرار و فراواں کا سبب؟
جن کا ادراک ہے انسان کی زد سے باہر
وہ خرد ہو کہ جنوں دونوں کی حد سے باہر

میں کہ ہوں اِن دنوں تنہائیِ مطلق کا شکار
گر اجازت ہو تو پوچھوں میں تجھی سے یارب
یہ تری سعیِ پریشان، یہ تخلیقِ جہاں
~~میرے اک خوابِ پریشانِ رفاقت کیطرح~~ ← [میرے اس خوابِ پریشانِ رفاقت کی طرح / جس کو ان شعروں کے قالب میں سمویا]
تیری تنہائیِ مطلق کی تو غمّاز نہیں
دل کے بہلانے کو شاید یہ کمال اچھا ہے
رات کا وقت ہے خاموش ہے ساری دُنیا

پانچ سہرے

عجب جوبن خوشی دکھلا رہی ہے

دلوں میں روشنی پھیلا رہی ہے
عجب جوبن خوشی دکھلا رہی ہے
سرِ دولہا پہ ہے پھولوں کا سہرا
کہ زرّیں کہکشاں لہرا رہی ہے
ہے سہرا بربطِ گل جس کی لے پر
وہ نغمہ زندگانی گا رہی ہے
کہ ہے ھَلْ مِنْ مَّزِیْد ہر اک زباں پر
ہر اک شے لطفِ ہستی پا رہی ہے
گلے میں جھولتی ہے پھول مالا
یا اِک قوسِ قزح لہرا رہی ہے
فضائیں بھی معطر ہو رہی ہیں
بڑے انعام ہر شے پا رہی ہے
اُدھر بادل اُمڈتے آ رہے ہیں
اِدھر بجلی پلک جھپکا رہی ہے

ثبوتِ رحمتِ باری یہ بارش
ربابِ دلنشیں بجوا رہی ہے

ہے آنکھوں میں خمارِ نوجوانی
طبیعت ہے کہ مچلی جا رہی ہے

ہے چہرہ نورِ خوش عملی سے روشن
سکونِ دل نگہ برسا رہی ہے

دھڑکتے دل میں ارمانوں کی دنیا
حسیں کروٹ بدلتی جا رہی ہے

تصور محوِ تعمیرِ نویں ہے
تمنا قصرِ نو بنوا رہی ہے

رہے صد رشکِ فردوسِ بریں ہو
وہ دنیا جو بسائی جا رہی ہے

مبارک ہو بدیع کو روزِ شادی
دعا ہر لب پہ یہ تھرا رہی ہے

پھلا پھولا رہے نخلِ تمنا
فضا بھی یہ ترانہ گا رہی ہے

چراغ اب ختم کر تو بھی دعا پر
"بدیع" منزل قریں تر آ رہی ہے

پیمانوں کا ہار ہے سہرا

پیمانوں کا ہار ہے سہرا — پیمانہ بردار ہے سہرا
مینا بکف ہے غنچہ و گل ہیں — عطر ہے عطّار ہے سہرا
دائیں بائیں اوپر نیچے — ہر سو عنبر بار ہے سہرا
ڈوب گئی ہے نشے میں دنیا — خوشبو کا انبار ہے سہرا
غش کھا کر اڑتی ہیں ہوائیں — سرتاپا مہکار ہے سہرا
جھوم رہی ہیں جھلمل لڑیاں — مخمور و سرشار ہے سہرا
جگمگ جگمگ چمک رہا ہے — زرافشاں زرتار ہے سہرا
جس پہ فرشتے رقص کناں ہیں — وہ دُرِ شہوار ہے سہرا
گرہ گرہ کونین کی دولت — کیا سرمایہ دار ہے سہرا
کلیاں پھول ستاروں جیسے — کاہکشاں آثار ہے سہرا
ازلی ابدی آرزوؤں کی — اک روحِ بیدار ہے سہرا
کتنے بے آواز رسیلے — نغموں کی جھنکار ہے سہرا
حوریں محوِ ترنم جن پر — وہ بربط کے تار ہے سہرا
کچھ انجانے کچھ ان بوجھے — جذبوں کی پکار ہے سہرا

وحشی دِل کی دھڑکن کا اک — شائستہ اظہار ہے سہرا
سرتاپا پیغامِ محبت — اور سراپا پیار ہے سہرا
غنچوں کی محبوب نگاہی — نگراں جانبِ یار ہے سہرا
دورِ طرب کا پیغمبر ہے — رشکِ صد گلزار ہے سہرا
جنم جنم کی پیاس بُجھائے — آبِ حیات کی دھار ہے سہرا
جان نئی بخشے ہے ہراک کو — عجب مسیحا کار ہے سہرا
عقدہ کشائے رازِ ہستی — پردہ در اسرار ہے سہرا
ہنسی خوشی ہر بوجھ اُٹھاکر — جیسے کا اقرار ہے سہرا
ایک کلیدِ قفلِ تمنا — ایک ہی کار برار ہے سہرا
ایک ہی بام یار کی سیڑھی — نقشِ پائے یار ہے سہرا
دو عیدیں اک ساتھ ہوئی ہیں — کیا ہی سعد آثار ہے سہرا
ہر عالم میں ایک نوید — آمدِ فصلِ بہار ہے سہرا
روشن مستقبل کا یقیناً — آئینہ بردار ہے سہرا
دورِ سعادت عہدِ مبارک — لایا عنبر بار ہے سہرا

میری خوشیوں کا یہ تحفہ
آئینہ افکار ہے سہرا

بے صد انغموں کا اک طوفان تھا سہرا نہ تھا

بے صد انغموں کا اِک طوفان تھا سہرا نہ تھا
بولتے رنگوں کا چمنستان تھا سہرا نہ تھا
کیا تصور میں کسی برقِ نگاہِ ناز سے
سلسلہ جنبانِ دِلِ نادان تھا سہرا نہ تھا
آسمانِ فرق پر قوسِ قزح کے روپ میں
ایک لہراتا ہوا ارمان تھا سہرا نہ تھا
مُسکرا کر پھول پابندِ سلاسل ہوگئے
کوئی در پردہ سیاست دان تھا سہرا نہ تھا
شوقِ آوارہ کو تھی زنجیر یا پھولوں کی سیج
اک حسیں زنداں کا روشندان تھا سہرا نہ تھا
شوخی و مستی تھی محبوسِ حیا و انتظار
کفر در پیراہنِ ایمان تھا سہرا نہ تھا
جسمِ دولہا پر تھا پھولوں سے چراغاں کا سماں
کہکشاں کی گود میں انسان تھا سہرا نہ تھا
تھا ہر اک گل پر چراغِ راہِ منزل کا نشاں
دو دلوں کے میل کا سامان تھا سہرا نہ تھا

نفاست سہرے کی

اک روپ ہے جو کھا دولہے کا اس پر ہے نفاست سہرے کی
"امداد علی" کے چہرے پر سج دھج ہے قیامت سہرے کی
اے دوست ہے موقع شادی کا، گا کوئی ترانہ مستانہ
یہ بزم طرب ہر روز کہاں لائی جسے قسمت سہرے کی
ہر آنکھ میں شوخی، لب پہ ہنسی ہر چہرے پر رقصاں ہے خوشی
طوفان اُٹھائے پھرتی ہے ہر دل میں مسرت سہرے کی
ماتھے پہ کبھی لہرائے ہے چومے ہے لب و رُخسار کبھی
رہ رہ کے ہے لیتی چُٹکی سی معصوم شرارت سہرے کی
پھولوں کی زباں پر جاری ہیں رنگیں نزاکت کے کلمے
کلیوں کے لبوں سے ٹپکے ہے مخمور طراوت سہرے کی
ہے غنچہ و گل میں ایک نمی ہیں روشن و تر رخسار و جبیں
کیا شعلہ و شبنم باہم ہیں دیکھو تو کرامت سہرے کی
یوں مل کے رہیں دلہا دلہن اک جسم ہو دو جا پیراہن
اک پھول تو دو جا خوشبو ہو، ایسی ہے برکت سہرے کی
کافی ہے چراغ اب ختم کرو شادی ہے یہ خانہ آبادی
انشاء اللہ لکھ رکھو یہ خاموش بشارت سہرے کی

شوہر کا خطاب آخر

آداب بجا لا کر آتا ہے شباب آخر
جاتی ہے کم آگاہی اُٹھتا ہے حجاب آخر
ہو جاتا ہے چُپکے سے بچپن کا سمے رخصت
کھلتی ہے جوانی کی رنگیں کتاب آخر
اس دور میں ہر اک سے کرتی ہیں سوال آنکھیں
دو شوخ نگاہوں سے ملتا ہے جواب آخر
پُر جوش امیدوں پر کچھ زور نہیں چلتا
کھُل جاتے ہیں خود ہی خود سب بند نقاب آخر
اک دست حنائی جب تھم تھم کے اسے چھیڑے
کیونکر نہ بجے دل کا بے تاب رباب آخر
اک روز وہ ہوتا ہے اک وقت وہ آتا ہے
جب باب پہ شادی کے کھلتی ہے کتاب آخر
بارات مسرت کی طوفان سی چڑھتی ہے
میخانے میں بٹتی ہے خوشیوں کی شراب آخر

آباد لو ہوتے ہیں برسوں کے تمنائی
طے ہوتے ہیں آج آکر مُدت کے حساب آخر
دیتا ہے قمر تجھ کو خوش ہو کے چراغ عالم
بہ تحفہ "مبارک ہو شوہر کا خطاب آخر"

قطعات

مختلف قطعات

یہ شب یہ چاند یہ تارے یہ نُور کی بارش
یہ خامشی کا ترنّم یہ سرور کی بارش
ہر ایک چیز پڑی ہے ہر اک قبے میں چراغ
ہے ذرّہ ذرّہ پہ گویا شعور کی بارش

سُرور بس ہے مالدار گزارش پہ منحصر
تسکین فریب، جھوٹ اور سازش پہ منحصر
اتنا ہی کیا چراغ کہ اپنے دیار میں
موت و حیات بھی ہیں سفارش پہ منحصر

پژمردہ و درماندۂ افلاس بہت ہیں
بجھتی ہی نہیں جن کی کبھی پیاس بہت ہیں
ہے مجھ کو شکایت کہ تری بزم میں ساقی
مدہوش تو کم ہیں مگر بے آس بہت ہیں

گم شدہ سی اک کہانی مِل گئی
عشق کی رنگیں نشانی مِل گئی!
مختصر سے وقت میں کیا کچھ مِلا
یاد تم آئے جوانی مِل گئی

شیخ صاحب کے ھاں سے ملتی ہے
کچھ نہ پیرِ مغاں سے ملتی ہے
ایک وہ زندگی کی آگ کہ بس
جو بتانِ جواں سے ملتی ہے

جوانی خود فراموشی کا عالم
مزے کی نیند لوٹی جا رہی ہے
لبوں پر مسکراہٹ سی ہے ایسی
قیامت بھی سکوں برسا رہی ہے

دُور ھر تمنا سے بدحواس بیٹھا ہوں
بے خروش، آزردہ، محویاس بیٹھا ہوں
دُور ہے خوشی مجھ سے دُور زندگی مجھ سے
تجھ کو یاد کرتا ہوں اور اُداس بیٹھا ہوں

بے پناہ تنہائی تیرا نام لے لے کر
چھیڑ چھاڑ کرتی ہے بے قرار کرتی ہے
زندگی ندیدے سے راستوں میں گم ہو کر
تیرے لوٹ آنے کا انتظار کرتی ہے

ہم گھبراتے ڈرتے بھی ہیں
اور محبت کرتے بھی ہیں!
ھم زندہ ہیں جنکی بدولت
ان پر اکثر مرتے بھی ہیں!

وحشتوں کو اک نشانہ مِل گیا
بے خودی کو تازیانہ مِل گیا
آپ تو رُوٹھے تھے منّنے کے لیے
عشقِ خودسر کو بہانہ مِل گیا

خمار بادہ وحشت اثر ہم بھول جاتے ہیں
جواز داستانِ خیر و شر ہم بھول جاتے ہیں
جب ان مے گوں لبوں کی مہربانی یاد آتی ہے
تو سارے قصہ ہائے خشک و تر ہم بھول جاتے ہیں

میرے ارماں بھی وہیں دل بھی وہیں جان بھی وہیں
زندگی میری کسی اور کی پابند نہیں
تجھ سے وابستہ جو ٹھہری ہے ہر اک چیز مری
تو جہاں بھی ہو وہیں میرا فلک میری زمیں

ہے تو آغاز سالِ نو لیکن!
کوئی اُمید ہے نہ آس ہے آج
کاش چپکے سے آپ آجائیں
ہاں طبیعت بہت اُداس ہے آج

لُطف بے انتہا نہیں ملتا
دائمی آسرا نہیں ملتا
جس کے ہم اور جو ہمارا ہو
کوئی ایسا خُدا نہیں ملتا

شمعِ دیر و حرم زرُوئے بتاں
کچھ نہ برقِ رواں سے ملتی ہے!
بیشتر خار و خس کے جلنے سے
روشنی اک جہاں کو ملتی ہے

فطرت کے رازدارِ جہاں تھے وہیں تو ہیں،
قدرت کے شاہکارِ جہاں تھے وہیں تو ہیں
سائنس کے ارتقائے مسلسل کے باوجود
آلامِ روزگار جہاں تھے وہیں تو ہیں

عمرِ رفتہ میں نہیں دوشس کے محمل میں نہیں
اور فردا کے معمّوں کے کسی حل میں نہیں
آج کو اپنا بناؤ کہ اسی آج میں ہے
زندگی جس کی تڑپ پیچ و خمِ کل میں نہیں

شرابِ حُسن کی رنگیں سحر ہم بھول جاتے ہیں
شبابِ شوخ کی برقِ نظر ہم بھول جاتے ہیں
شعورِ زندگانی جب جکڑ لیتا ہے تن من کو
وجودِ بحر و بر شمس و قمر ہم بھول جاتے ہیں

جو پی ہی لی ہے تو پی کر بہک لو تھوڑا سا
بھرم عنایتِ ساقی کا رکھ لو تھوڑا سا
ملی ہے زندگی جینے کو جی لو کچھ کچھ تو!
پرکھنے والے خدا کو پرکھ لو تھوڑا سا

مرے ادراک کو بیگانۂ علم و ہنر کر دے
مرے قلبِ حزیں کو بے نیازِ خشک و تر کر دے
اُٹھا سکتا نہیں میں بوجھ اپنی نامرادی کا
خُدایا زندگی کو مختصر سے مختصر کر دے

دُور ہے دُور ہے فردوس گہِ قبر ابھی
اور کچھ دیر طبیعت پہ کرو جبر ابھی
موت تو آخری منزل ہے ابھی ہے وہ کہاں
زندگی پر ہی مری جان کرو صبر ابھی

شب فراق ہے اور سب جہان ہے مغموم
سحر ہوئی بھی تو کیا ہوگا کچھ نہیں معلوم
یہ چاند تارے، مناظر یہ ساکت و جامد
کوئی بتاؤ کیا مقصد ہے ان کا کیا مفہوم؟

(دوسرا حصّہ)

حصّے ہیں پہیلی کے

غزلوں کا مجموعہ

(۱۲۶ غزلیں)

انتساب

میرے اباؔ کے سب سے
بڑے دوست اور پوٹھوہاری کے گمنام
شاعر چودھری غلام حسینؒ کے نام !

حسنِ ترتیب

۱۲۶ غزلیں

جو راہ پر نہیں وہی کچھ راہ پر نہ ہو

تنہائی کیا وہ جس میں خدا جلوہ گر نہ ہو
کیا بزم جس میں مدحت خیر البشر نہ ہو
ہم کیا کریں ہے بات ہی اسکی کہ جس کا ذکر
کوشش کے باوجود کبھی مختصر نہ ہو
شاید تمہارے عشق سے کچھ بن پڑے جواب
جینا وہ اک سوال کہ جس سے مفر نہ ہو
محسوس پھر یہ ہونے لگا ہے نہ جانے کیوں
جیسے حدیثِ موسمِ گُل معتبر نہ ہو
جب تک نگاہِ ناز رہی مہربان سی
وہ کام کر گئی ہے کہ بار دگر نہ ہو
کیوں ہر قدم پہ اب مجھے گزرے ہے یہ خیال
جو راہ پر نہیں وہی کچھ راہ پر نہ ہو
موجِ صبا: نگارشِ گُل، چاندنی، پھوار
ہر اک پہ ہے گماں ترا پیغام بر نہ ہو

آئے ہو اب تو پیار کے دو بول بھی سہی
ممکن ہے اتفاق یہ پھر عمر بھر نہ ہو
معجز بیاں ہیں ایسے گزرتا ہے یہ گماں
ہونٹوں پہ ان کے سایۂ شق القمر نہ ہو
اب زندگی چراغ وہ تہ خانہ ہے جہاں
تازہ ہوا کے جھونکے کا کوئی گزر نہ ہو

سب ہی کچھ مانگے کوئی دل نہ ہمارا مانگے

میرا غم تیری جوانی کا سہارا مانگے
اور تو اپنے ہی جیسا کوئی پیارا مانگے

رُوح کی تشنہ لبی ایک سمندر چاہے
دِل کا طوفان مگر کوئی کنارا مانگے

ہاتھ میں میرے کوئی خاک کا ذرّہ بھی نہیں
اور تو مجھ سے چمکتا ہوا تارا مانگے

آنکھ تیرے رُخِ انور کو مسلسل چاہے
اور دِل تیری محبّت کا اجارہ مانگے

وقت اک جھاگ کے ساحل پہ مجھے لایا ہے
دِل مگر پیار کا طوفان دوبارا مانگے

تیری آنکھوں میں نہ "ہاں" کا نہ "نہیں" کا سایہ
اور دِل فیصلہ کُن کوئی اشارا مانگے

عرضِ مطلب پہ وُہ کس ناز سے کہتے ہیں چراغ
سب ہی کچھ مانگے کوئی دِل نہ ہمارا مانگے

آدمی جاگ اُٹھا ہو جیسے

انقلاب آ ہی گیا ہو جیسے
تو مجھے اپنا لگا ہو جیسے

دِل ہے یوں بے سروساماں میرا
تیرے کوچے کا گدا ہو جیسے

ھر طرف شور سلاسل، توبہ
آدمی جاگ اُٹھا ہو جیسے

تیری محفل کا ہے سنّاٹا عجب
ھر کوئی بول رھا ہو جیسے

حُسن خوش رنگ و تر و تازہ ہے
عشق کا خون پیا ہو جیسے

لوگ یوں سُنتے ہیں بِپتا میری
قصہِ درد نیا ہو جیسے

اب تاسف ہے نہ کچھ بے چینی
دِل نے کچھ بھانپ لیا ہو جیسے

تیری یاد آتی ہے ہر شب ایسے
سانس لینے کی صدا ہو جیسے

ایک خنجر تھا کہ بوسہ تیرا
زخم لب بول اُٹھا ہو جیسے

کتنی عریاں سی ہے یہ بھی تنہائی مری
ہر کوئی دیکھ رہا ہو جیسے

میرے دِل میں سے وُہ ایسے گزرے
کوئی بہروپ بھرا ہو جیسے

اس سے ہر راہ ہوئی ہے روشن
داغِ دل ایک دیا ہو جیسے

یوں خفا ہیں کہ محبت کرنا،
صرف میری ہی خطا ہو جیسے

مطمئن آج کل چراغ ہوں میں
کوئی دِل جیت لیا ہو جیسے

آپ ہی کا کیا کرایا ہے

زندگی موت ہی کا سایہ ہے
ہم نے یہ راز جی کے پایا ہے

آپ نے ظُلم کر کے کیا پایا
ہم نے تو خیر دِل گنوایا ہے

بول کر مُفت بات کھوئی ہے
کام کر کے بھرم گنوایا ہے

اب کڑی دھوپ جھیلنا کیسا
ہم ہیں ناطاقتی کا سایا ہے

ان کی شہ پہ کبھی کبھی ہم نے
رازِ ہستی کو گدگدایا ہے

آپ کے بیکراں تصوّر میں
دِل نے آخر قرار پایا ہے

عمر بھر ہم نے ایک ٹوٹا ساز
کِس کِس انداز سے بجایا ہے

جو پہاڑوں سے بھی نہ اُٹھ پایا
ہم نے وُہ بوجھ بھی اُٹھایا ہے

ساری دنیا ہوئی ہے زیر و زبر
جب بھی انصاف کپکپایا ہے

کس کی یاد آئی ہے کہ مدّت بعد
غم نے خوشیوں کو گدگدایا ہے

جو بھی کچھ ہے چراغِ حال مرا
آپ ہی کا کیا کرایا ہے

آنچل ترے خیال کا لہرایا اور گیا

شعلہ سا اک نگاہ میں تھرّایا اور گیا ٹھکرایا اور گیا
آنچل ترے خیال کا لہرایا اور گیا
کچھ دیر تجھ کو غور سے دیکھا کیا جو میں
موہوم سا خیال تھا بس آیا اور گیا
دریا کی ایک موج ہے تیرا خیال اب
بس حاشیۂ ذہن سے ٹکرایا اور گیا
یہ زندگی ہے چلتے ہوئے جام کا خمار
بادل سا ایک اُڑتا ہُوا آیا اور گیا
کیونکر بیاں کروں ترے جلوے کی کیفیت
آنکھوں میں ایک سایہ سا لہرایا اور گیا
سیڑھی کے موڑ پر جو اچانک ہوا ملاپ
کچھ ثانیے وہ چونک کے شرمایا اور گیا
اک عمر روز صبحدم پیغام آپ کا
جھونکا ہوا کا پاس مرے لایا اور گیا

وہ آیا، آ کے بیٹھا، ذرا بات چیت کی
اور بس اسی میں دل مرا اپنایا اور گیا

اب یاد ہے تو اتنا کہ اس شوخ نے چراغؔ
دل میرا دستِ ناز سے سہلایا اور گیا

ہائے ہے کونسا حجاب آپ کے میرے درمیاں

دشتِ حیات بے اماں، منزلِ شوق بے نشاں
ہمسفر کا حال دیکھئے، پھر بھی ہوں میں رواں دواں

مصلحتوں کی گرد سے میرا جنونِ سر بکف
صاف ہے مثلِ تیغِ تیز، پاک ہے مثلِ نوریاں

دھندلے سے کیوں ہیں راستے موہوم کیوں ہیں منزلیں
دل کا غبار ہے یا پھر خود ہے فضا دھواں دھواں

آہ یہ عقل کا فساد، ذاتی غرض کا گرد باد
بکھری ہوئی ہیں ہر طرف میرے جنوں کی دھجیاں

پھوٹیں نہ چاند تارے کچھ جن سے وہ سب جراحتیں
چشمۂ نور کا غروب، خونِ عزیز کا زیاں

میرے جنوں کا رابطہ تجھ سے رہا جہاں تلک
کانٹے سبھی تھے برگ گل اور سنگ میل ہرچٹاں

چھتا نہیں کوئی اگر مجھ کو تو بس یہ جانیئے
قلب و نظر میں اب بھی ہیں آپ کی کچھ نشانیاں

منزل انقلاب کا ایک ہی راستہ ہے بس
سُرخ و سفید خون کا کھولتا بحرِ بیکراں

تو وھاں میری منتظر میں یہاں تیرا منتظر
گنجِ شباب کا ضیاع، جوش بہار کا زیاں

چند ایک رسمیات کا گرد و غبار چھوڑ کر
باقی ہے کون سا حجاب آپ کے میرے درمیاں

ماہ و نجوم کی تلاش اور نہ دشت کی طلب
کافی ہے میرے شوق کو آپ کا سنگِ آستاں

مجھ کو چراغ بھول کے اب کوئی پوچھتا نہیں
کس سے کریں گلہ کہ خود دل ہی نہیں ہے مہرباں

میرا جوشِ جنوں فصلی نہیں ہے

ہمارا عشق ہی نقلی نہیں ہے
تمہارا حُسن بھی اصلی نہیں ہے
بجائیں ہم بھی اور ہراک سے اونچی
مگر اپنی کوئی ڈفلی نہیں ہے
ہم ان کی بزم میں جائیں تو لیکن
کوئی خالی نشست اگلی نہیں ہے
شکنجہ عشق کا تھا سخت اِتنا
سلامت ایک بھی پسلی نہیں ہے
بہت ہوگی مری حالت سے لیکن
کمر سرکار کی پتلی نہیں ہے
اب اُن سے اور کیا ہوگا جہاں میں
جنہیں توفیق بے عملی نہیں ہے
خزاں میں بھی گریباں پھاڑتا ہوں
مرا جوشِ جنوں فصلی نہیں ہے
انہیں کیونکر نکالیں دل سے اپنے
چراغ آسان بے دخلی نہیں ہے

غلط بیاں ہے، زبانِ گل بھی کلی کلی جھوٹ بولتی ہے

اُبھرتے سورج میں کچھ چمک ہے، نہ چاند تاروں میں روشنی ہے
ترا تصوّر ہے وُہ درخشاں کہ ہر ضیا ماند پڑ گئی ہے
چلی بھی آ تُو کہ میری دُنیا بغیر تیرے ادھوری سی ہے
ہر ایک شے یہ پکارتی ہے تری کمی ہے تری کمی ہے
فریب خوردہ سبھی ہیں لیکن یہ جانتا ہوں بنا تمھارے
غلط بیاں ہے زبانِ گل بھی کلی کلی جھوٹ بولتی ہے
مرا ہی دل کچھ نہ ایک ہیجان بے پناہ کی گرفت میں ہے
ترے نہ ہونے سے پاس میرے نظامِ عالم میں کھلبلی ہے
فضا میں ماہ و نجوم لرزاں، بدن میں ہر قطرہ خوں کا رقصاں
وفورِ جذبات کا یہ عالم ہے رات سر تا پا کانپتی ہے
جو تو نہ ہو پاس غنچہ و گل کی صحبتیں بھی مجھے غنیمت
مگر جو تو ہو تو عرش و کُرسی بھی دُرِّ مقصود سے تہی ہے
جو تو نہیں تو ترا تصوّر، جو تو نہیں تو تری تمنّا
قدم قدم ہمسفر رہا ہے، نفس نفس ہم عناں ملی ہے

نہ کوئی وہم و گماں باقی، نہ کوئی غم کا نشاں باقی
وہ اسمِ اعظم ہے نام تیرا کہ لیتے ہی ہر بلا ٹلی ہے،
تمہاری زلفوں کی مہربانی سے روز و شب کا طلسم ٹوٹا
کہ ان کے سائے میں شام آئی کبھی نہ کوئی سحر ہوئی ہے
رواں رواں جس کا فتنہ پرور، ادا ادا جس کی حشر ساماں
چراغ واللہ سکوں کی خاطر عجیب شے آپ نے چُنی ہے

ماجرائے حیات کہہ کہہ کر

ماجرائے حیات کہہ کہہ کر
کتنے انسان بن گئے پتھر
جتنی ہر صبح کو یہ لگتی ہے
اتنی آساں نہیں نمودِ سحر
عقل کے ہر جواب سے شاید
عشق کا اک سوال ہے بہتر
کون سی چیز ہے زمانے میں
زندگی کے جمال سے بہتر خوشتر
کتنے لوگوں نے وقت کو ٹالا
آزمائش کا دور کہہ کہہ کر
دلِ وحشی کی خیر ہو یا رب
اُن کی چتون ہے آج جوبن پر
جب بھی دیکھا انہیں، خلافِ گماں
وہ نگاہیں جھکی ملیں اکثر

آنکھ اب جن کو ڈھونڈتی ہے بہت
جانے کس اور چھپ گئے جا کر
زندگی کے سب اوچھے وار چراغ
آ کے پڑتے ہیں میرے سینے پر

اپنی پسند ہی کو حسیں مانتے ہیں لوگ

حق بات خود بھی اچھی طرح جانتے ہیں لوگ
کہہ دیجئے سچ مگر تو بُرا مانتے ہیں لوگ

لیڈر یا دوست یار تو کیا خود خدا کو بھی
اُس کی نوازشات سے پہچانتے ہیں لوگ

کچھ سیم و زر کے روپ میں اپنے دلوں کا کھوٹ
پیشِ فقیر تحفتاً گذرانتے ہیں لوگ

ہر قول و فعل غیر بڑے اہتمام سے
نقد و نظر کی چھلنیوں میں چھانتے ہیں لوگ

ویرانۂ حیات بسانے کے نام پر
خیمے سے اپنے چاروں طرف تانتے ہیں لوگ

پورا کریں جو ان کے تقاضائے خوف کو
ایسے ہی لیڈروں کا کہا مانتے ہیں لوگ

طاقت تو چاہتے ہیں مگر اُس کا استعمال
اپنے خلاف ناروا گردانتے ہیں لوگ

وہ پیکرِ وجود ہو یا پیکرِ خیال
اپنی پسند ہی کو حسیں مانتے ہیں لوگ

اپنے تجاوزات کو اِس دور میں چراغؔ
پیدائشی و فطری سا حق جانتے ہیں لوگ

صحرا میں کوئی ٹھنڈی سڑک ڈھونڈ رہا ہوں

ہونٹوں پہ تبسّم کی دھنک ڈھونڈ رہا ہوں
اُن آنکھوں میں رقاب چمک ڈھونڈ رہا ہوں

اُس نور میں عورت کی محبت کا نزینہ
اک چشمۂ شیریں میں نمک ڈھونڈ رہا ہوں

اک
اُس بُت سے خلوص اور محبت کا ہوں خواہاں
صحرا میں کوئی ٹھنڈی سڑک ڈھونڈ رہا ہوں

ان باہوں میں آغوشِ محبت کی گدازی
مرمر کے ستونوں میں لچک ڈھونڈ رہا ہوں

خود مرتعش بجتی ہوئی تنہائی شب میں
پازیب کی مخمور کھنک ڈھونڈ رہا ہوں
جھنک

تم آئے ہو تو اپنی تمنا کے لبوں پر
ترسے ہوئے شعلوں کی لپک ڈھونڈ رہا ہوں

لوگوں کے مفادات کی جنگاہ میں پھنس کر
ان مدبھری آنکھوں کی کمک ڈھونڈ رہا ہوں

میخانۂ ویرانِ تمنا میں ابھی تک
ٹوٹے ہوئے شیشوں کی کھنک ڈھونڈ رہا ہوں

آوارہ و پُر سیر خیالات میں اپنے
اُڑتے ہوئے بادل کی لہک ڈھونڈ رہا ہوں

دنیا میں تھا جب عدل و مساوات کا عالم
اُس دور میں وہ دور فلک ڈھونڈ رہا ہوں
اک جام نگاریں کی چراغ اوٹ میں رقصاں
اس چشم خماریں کی جھلک ڈھونڈھ رہا ہوں

[اب تو] ~~دیکھ لو~~ شمپئین کا ہم رتبہ ٹھرّا ہوگیا

قیمتوں کا بڑھتے جانا روز مرّہ ہوگیا
اب [تو] ~~دیکھ لو~~ شمپئین کا ہم رُتبہ ٹھرّا ہوگیا

میری جانب اب وہ اکثر دیکھتے تک بھی نہیں
جب سے دِل ان کا ہوا اُن کو وُہ بھرّا ہوگیا

وہ اگر گالی بھی دیتے ہیں تو جھڑتے پھُول ہیں
اور ہمارا بات کرنا بھی تبرّا ہوگیا

میرا مُکا ویسے تو کچھ اتنا طاقتور نہ تھا
جب پڑا دُشمن کے کلّے پر تو کرّا ہوگیا

جو بکھر کر ہر طرف سوراخ دِل میں کر گئی
وہ نظر تو کیا ہوئی۔ گولی کا چھرّا ہوگیا

ہوگیا ہے حسن پیرو کار سوشلزم کا
جُرم استحصال سے اب تو مبرّا ہوگیا

بعد شادی کے وہی حسن جہاں آرا چراغ
جو کبھی سورج تھا گھٹ کر ایک ذرّہ ہوگیا

ہر صنم اب خدا سے بڑھکر ہے

حُسن کی گود عشق کا سر ہے
ہائے کتنا عجیب منظر ہے

موت ہی سے ہے ترک و تازِ عمل
موت ہی زندگی کا بستر ہے

اب خدائی کے دعویدار کہاں
ہر صنم اب خُدا سے بڑھکر ہے

پھُول کانٹوں کی گود میں جیسے
خیر پہلو بہ پہلوئے شر ہے

تیرے لطف و کرم کی بات ہی کیا
تیرا غم بھی حیات پرور ہے

خوب ہیں حسن و عشق بھی لیکن
زندگی کا فریب خوشتر ہے

ڈوب کر جو اُبھر نہیں سکتا
دِل ہمارا وہ بھاری پتھر ہے

تیری خواہش میرے عمل کا جواز
تیری مرضی مرا مقدّر ہے

پھُول خاموش، چاند تارے چپ
خامشی گفتگو کا جوہر ہے

تھا کبھی راکٹوں سے تیز چراغ
اب جنوں راستے کا پتھر ہے

چاند تاروں کو تھے صبحِ نو کے اندازے غلط

ہو نہیں سکتے ہیں فکرِ نو کے اندازے غلط
کب ہوئے ہیں انقلابی رُو کے اندازے غلط

یاس کن صورت سہی لیکن نہیں ممکن کہ ہوں
سینوں کے اندر بھڑکتی لَو کے اندازے غلط

یک بیک غنچوں کی جب آنکھیں کھلیں روشن ہوا
چاند تاروں کو تھے صبحِ نو کے اندازے غلط

ہم یہ کہتے ہیں "جنونِ نو ہے مستقبل نما"
آپ" ہیں شیرے جنونِ نو کے اندازے غلط"

با (ہمہ) عقلِ سلیم و با (ہمہ) فہمِ صحیح
ہم کو اکثر دے گئے ہیں دھو کے اندازے غلط

جتنا ہم سمجھے تھے اتنے تو نہ تھے مایوس کن
فکرِ تازہ دے گئے ہیں ہو کے اندازے غلط

ساری ملت ہی غلط ہو غیر ممکن ہے چراغؔ
ٹھیک ہے . ہو سکتے ہیں اک دو کے اندازے غلط

مسکراہٹ کو تری عقدہ کشا کہتے ہیں ہم

استقامت کو وفا، ضد کو جفا کہتے ہیں ہم
اُس کو اپنی اور اسے تیری ادا کہتے ہیں ہم

جذبۂ مغلوبیت کو تیرے ہم ناز و غرور
تیری نامعلوم خواہش کو حیا کہتے ہیں ہم

صبح کو تیرے تبسم ریز چہرے کا فروغ
اور صبا کو تیرے دامن کی ہوا کہتے ہیں ہم

تیری پیشانی کے بل کو ایک لاینحل سوال
مسکراہٹ کو تری عقدہ کشا کہتے ہیں ہم

بے رخی کو پردہ داری، برہمی کو اک ادا
تیرے ظلم و جور کو لطف و عطا کہتے ہیں ہم

اب کہ اپنی انتہا پر ہے ہماری بے دلی
انقلاب آنے کو ہے اک برملا کہتے ہیں ہم

گو اسے منسوب کر لیتے ہیں اپنے نام سے
سچ مگر یہ ہے کہ سب ان کا کہا کہتے ہیں ہم

دولتِ دنیا کو یکسر جانتے ہیں ہیچ ہم
آپ کے غم کو متاعِ بے بہا کہتے ہیں ہم

ہر امیدِ خام کو شوقِ سفر کی اک کڑی
ہر کلی کو حلقۂ زنجیرِ پا کہتے ہیں ہم

جذب و مستی میں تصور بھی ہے کتنا دلفریب
پیکرِ سادہ کو اک رنگین قبا کہتے ہیں ہم

وہ اڑیل ہے میرے مقدر کا ٹٹّو

نہ پوچھو مِلا کیا اسے ہو کے چٹّو
ہوا ہے وہ دُنیا میں مشہور ٹٹّو

نہ ہنٹر کو مانے نہ پچکار سمجھے
وہ اڑیل ہے میرے مقدر کا ٹٹّو

یہ قسمت کی خوبی تو دیکھو کہ نِکلا
وہی بے وفا ہم ہوئے جس پہ لٹّو

ہے اصلی تے وڈّا تے سچّا وہ عاشق
ازل کا نِکمّا، جنم کا نکھٹّو ! نکما

محبت میں کرتا نئی بات کیا وہ
عدو تو ہے بچپن سے مشہور رٹّو

کرو کچھ تعاون چراغ اور دیکھو
کہ چلتا ہے کیسے مرے دِل کا لٹّو

تجھ سا اک غمگسار بھی ہے بہت

تیری یادوں کا بار بھی ہے بہت
ذہن میں انتشار بھی ہے بہت

ہم سے بے آسرا فقیروں کو
خونِ دل کی بہار بھی ہے بہت

راز داں اک جہاں کو کیا کیجیے
تجھ سا اک غمگسار بھی ہے بہت

چاک کر دینے کو قبائے خزاں
اک گُلِ بے بہار بھی ہے بہت

اک بگولہ سا بن کے گر اُٹھے
ایک مُشتِ غبار بھی ہے بہت

دشتِ غربت میں اک سہارے کو،
خونِ دل کی بہار بھی ہے بہت

کچھ تمہاری توجہ کم کم ہے
کچھ غمِ روزگار بھی ہے بہت

زندگی کے وسیع صحرا میں
وسعتِ اختیار بھی ہے بہت

کچھ تو صبر آزما ہے تنہائی
اور کچھ یادِ یار بھی ہے بہت

ظُلمتِ شب کو چیرنے کے لیے
اک کرن کا نکھار بھی ہے بہت

آپ سمجھیں تو عرضِ مطلب کو
دامنِ تار تار بھی ہے بہت

ڈریئے اُس محبت سے آپ جس میں چراغ
خوفِ پروردگار بھی ہے بہت!

اتنی سی بات پر انہیں کیا کیا گماں رہے

تیرے ہی آسرے پہ رہے ہم جہاں رہے
پھر فرق کیا یہاں رہے ہم یا وہاں رہے

جب تک کہ میرے حال پہ وہ مہرباں رہے
میری نظر میں، ہیچ سے دونوں جہاں رہے

افسوس غم کا بوجھ تو ہلکا رہا مگر
ہم پر مسرتوں کے تقاضے گراں رہے

کچھ ایک ہی سا ہے گل و بلبل کا ماجرا
صیاد تھے ادھر تو اُدھر باغباں رہے

دیکھا تھا اک بار کسی اور کی طرف
اتنی سی بات پر انہیں کیا کیا گماں رہے

میرے غموں میں تم بھی اگر ہو سکو شریک
میری مسرتوں کا ٹھکانہ کہاں رہے

جو فاش ہوگئے وہ بنے داغ دل چراغ
لیکن وہ راز آہ جو دل میں نہاں رہے

جو آپ کے نزدیک نہ لائے وہ ہنر کیا

انسان کی کوشش میں ہے کوشش کا ثمر کیا
تدبیر کے آنگن میں ہے تقدیر کا گھر کیا

تا حدِ نظر ریت ہے یا وسعتِ افلاک
ہے زندگی اپنی کسی صحرا کا سفر کیا

ہم اتنے زیادہ نہیں دلدادہ خودی کے
کچھ مانگنے کو مانگ تو لیں ان سے مگر کیا

آنکھوں کا یہاں ہونا نہ ہونا ہے برابر
ہر سمت دھواں سا ہو تو پھر آئے نظر کیا

وہ خواہ ہمیں چاند ستاروں پہ بٹھا دے
جو آپ کے نزدیک نہ لائے وہ ہنر کیا

کیوں تیشۂ بکف ہیں کئی دیوانے ابھی تک
پھر ہونا ہے دنیا کو ابھی زیر و زبر کیا

اب اپنا خدا کس کو بنائیں گے چراغ آپ
چھوڑا ابھی ہے لوگوں کی جبیں نے کوئی در کیا

اپنے انداز نہ مخمور جوانی بدلے

تو نہ بدلے تو مسلسل رُخِ ہستی بدلے
تو بدل جائے تو پھر اور نہ کچھ بھی بدلے

جس نے پی لی ہو تری آنکھ کی ساری مستی
خوفِ دُنیا سے کہاں پھر وُہ شرابی بدلے

یہ ہمیشہ نہیں رہنے کی تو پھر عرض یہ ہے
اپنے انداز نہ مخمور جوانی بدلے

بیتی جو بیتی مگر پھر نہ اچانک یارب
نوحۂ غم میں کبھی نغمۂ شادی بدلے

زندگی میری وہی گردشِ پرکار سی ہے
زاویے کتنے ہیں ارضی و سماوی بدلے

انقلاب آیا ہے اک شور تھا سب کچھ بدلا
ہم نے جب دیکھا تو رستے ہی نہ راہی بدلے

مندمل زخم ہوئے اور نہ آنسو ٹھہرے
صیدِ معصوم نہ بے درد شکاری بدلے

اب نہ وُہ بُت نہ صنم خانے ہیں لیکن پھر بھی
برہمن بدلے نہ مندر کے پجاری بدلے

چشمِ کافر بھی وہی، رشکِ مسیحا لب بھی
دشمنِ دین ہی بدلے ہیں نہ حامی بدلے

ایک ہی بندگی بے چارگی، صدیوں کا شعار
کاش اب سابقہ دستورِ سلامی بدلے

انقلاب آئے تو اے دوست ہے اتنا بھی بہت
میٹھی باتوں میں تری تلخ کلامی بدلے

کہہ دو کوئی یہ مولف سے کتابِ ہستی
صرف گٹ اپ میں نہیں ساری کی ساری بدلے

اب تو خود جل کے جلانے کا گیا دور چراغ
تم بھی بدلو کہ سبھی آبی و خاکی بدلے

جمہور ہڈیاں لیے بیٹھے ہیں پلیٹ میں

دائم پڑا رہے ہے محبت کے گیٹ میں
بس اک یہی تو بات ہے عاشق ڈگریٹ میں

کچھ لوگ زندگی کی ضیافت اڑا چکے
جمہور ہڈیاں لیے بیٹھے ہیں پلیٹ میں

پھر مجھ کو تیری دید کے چورن کی ہے تلاش
پھر اُٹھا درد میری تمنّا کے پیٹ میں

اَوروں کو ان کے حِصّے کا سب مال مِل گیا
میرا ابھی ہے بند مقدر کے کریٹ میں

سودا تو حسن و عشق میں مشکل نہیں، مگر
جھگڑا سا آپڑا ہے محبت کے ریٹ میں

یہ حسنِ اتفاق ذرا ہو ملاحظہ
جیتا ہے جب بھی حسن ہی جیتا ڈبیٹ میں

اتنی ہوا تھی تیز سرِ راہ کل چراغ
سارھی نے ان کی لے لیا مجھ کو لپیٹ میں

نشتر کو بھی، توفیقِ رگِ جاں کو بھی دیکھو

دل کی بھی سنو عالمِ امکاں کو بھی دیکھو
اُس شوخ کو بھی اپنے گریباں کو دیکھو

شب گیر اندھیروں کی طوالت پہ نہ جاؤ
جو آنی ہے اُس صبحِ درخشاں کو بھی دیکھو

تم دید میں اپنی ہی مگن ہو جو ہو فرصت
بڑھتا ہی چلا آتا ہے طوفاں کو بھی دیکھو

اُس چاہ نے پیدا کئی خورشید کئے ہیں
زنداں ہی نہیں روزنِ زنداں کو بھی دیکھو

تم کس پہ بھلا موت کا الزام دھروگے
سائنس کو بھی، وحشتِ انساں کو بھی دیکھو

اک قوسِ قزح کے نہ رہو دھیان میں ہر دم
واماندگیِ شوقِ گریزاں کو بھی دیکھو

مالی کو کھٹکتا ہے جو کانٹوں سے زیادہ
اے نالہ کشو اس گلِ خنداں کو بھی دیکھو

ہاں اپنا ضمیر اپنی تجوری میں کرو بند
پھر دولتِ دنیائے فراواں کو بھی دیکھو

یونہی نہ چراغ اپنا بھرم آپ گنواؤ
نشتر کو بھی، توفیقِ رگِ جاں کو بھی دیکھو

کیا یہ لمحے گزرنے والے ہیں

وہ جو زلفیں گلے میں ڈالے ہیں
میری باہوں میں آنے والے ہیں

ان کی آنکھوں میں رقص کرتے ہوئے
چند سائے میں کچھ اُجالے ہیں

دیکھتے ہیں مجھے وہ یوں جیسے
مجھ کو اپنا بنانے والے ہیں

تم بھی آؤ کہ باغ میں جھولے
لہلہاتے گلوں نے ڈالے ہیں

دِل جو کھانے لگا ہے ہچکولے
وُہ اِدھر سے گزرنے والے ہیں

باندھ کر اُن سے ہم نے امیدیں
آستینوں میں سانپ پالے ہیں

تم ہو پہلو میں پوچھتا ہے دِل
کیا یہ لمحے گزرنے والے ہیں

خار و خس کیا چمن میں اب یارو
خود گلوں ہی کی جاں کے لالے ہیں

سنبھلے سنبھلے سے آ رہے ہیں نظر
حضرتِ دِل بہکنے والے ہیں!

آرزوؤں کے سب خزانے لے
سیلِ ہستی ترے حوالے ہیں

صبح ہونے کو ہے چراغ اپنے
درد پہلو بدلنے والے ہیں

جنوں والے تو کم از فتنۂ عالم نہیں لیتے

یہ دنیا ہے یہاں بندے کسی کا غم نہیں لیتے
لبِ خنداں کے خواہاں ہیں دِل برہم نہیں لیتے

اسی میں زندگی کا راز ہے جینے کی لذت ہے
ہمیں طوفان پیارا ہے کنارے ہم نہیں لیتے

یہ آنسو کیا یہ آہیں کیا یہ دِل کیا یہ وفائیں کیا
محبت کے تقاضے زندگی سے کم نہیں لیتے

عمل ہی اس جہاں میں اک متاعِ دست گرداں ہے
یہاں اے دِل خیال آرائی مبہم نہیں لیتے

یہ اک دِل کا تڑپنا کیا، یہ ہیجان مقامی کیوں
جنوں والے تو کم از فتنۂ عالم نہیں لیتے

لہو بن کر نہ ٹپکے آنکھ سے جب تک خلوصِ دل
فقط ہم اعتبارِ دیدۂ پرنم نہیں لیتے

ابھی سے اے چراغِ نیم شب بجھنا نہیں اچھا
مسافر منزلِ آخر سے پہلے دم نہیں لیتے

وہ نظر ڈھونڈتی ہے اپنا ہدف

جن کو غم ہے نہ کوئی جن کا شغف
آپ دیکھیں مگر اب ان کی طرف

لاؤ اب عشق وشق ہی کر لیں
دِن گزرتے نہیں ہیں بے مصرف

وضعِ اجداد ہم نبھائیں گے
عاشقانِ بزرگ کے ہیں خلف

ان کے کوچے میں رات دِن ہم بھی
اب بجایا کریں گے عشق کا دَف

موت کے رُخ پہ گاڑھ کر نظریں
ہم اُٹھاتے ہیں زندگی کا حلف

گردن اکڑائے رکھئے ہر صورت
کہیں بگڑے نہ کالروں کی کلف

حسن آتا ہے انسپکشن کو
عاشقو، اب تو سیدھی کر و صف

ماہ و مریخ و زہرہ پر اب تو
وہ نظر ڈھونڈتی ہے اپنا ہدف

روک پائیگی دور چرخ چراغ
میری بک بک نہ آپ کی ہف ہف

کوئلوں کی صورت ہوں مگر پھر بن جائیں انگارے لوگ

مطلب ہی کے نکلے ظالم اس دنیا کے سارے لوگ
کیا خوشدل دھن دولت والے کیا غمگین بچارے لوگ
ہی داری سے جیتے بھی ہیں مرتے بھی ہتھیارے لوگ
مر ہی سکیں نہ جی ہم جیسے لیکن جیون ہارے لوگ
جن کے بل بوتے پر، ہم نے دُنیا کو للکارا تھا
جھاگ بنے طوفان آتے ہی فوراً ہوئے کنارے لوگ
اور تو ہم سے ہو نہ سکا کچھ دُنیا میں پر اتنا تھا
ہم نے بڑھ کر آس بندھائی جب بھی ہمت ہارے لوگ
ہم بھی اُن کی یاد آنے پر آنکھیں چھم چھم روتی ہیں
ہم سے مل مل کر بچھڑے ہیں اُف کیا پیارے پیارے لوگ
آج وہ میرے سائے تک سے بھی ہیں گریزاں پہلے جو
دھوپ سے بچنے چھاؤں میں میری پڑے تھے پاؤں پسارے لوگ
متوالے نینوں کی کٹاریں ہوں یا جیون بپتا ہو
سہہ لیتے ہیں سب، ہم جیسے پاس لحاظ کے مارے لوگ

ایک کسی کا ہو کر رہنے ہی میں سکونِ خاطر ہے
سب کو راضی رکھنا چاہا جب تو روٹھے سارے لوگ

تیری مے کے اثر کو ہم تب مانیں گے اے پیرِ مغاں
کوئلوں کی صورت ہوں مگر پھر بن جائیں انگارے لوگ

اپنوں یا غیروں کی ٹھوکر، دھرتی یا آکاش کی مار
سب ہے چراغ گوارا ہم کو، ہم ہیں بنا سہارے لوگ

رُوح کی بے نوائیاں توبہ

حُسن کی خود نمائیاں توبہ
آئنے کی صفائیاں توبہ

آنسوؤں سے دُھلے تبسم میں
غم کی ہیئت کذائیاں توبہ

ایک دُنیا سے کرتے پھرتے ہیں
آپ میری برائیاں توبہ

آسماں و زمیں کا جیسے فراق
تیری میری جدائیاں توبہ

دار پر کھینچ کر مروت کو
دوستوں کی صفائیاں توبہ

میرے دِل سے تمہاری آنکھوں کی
بے ارادہ لڑائیاں توبہ

ایک محشر اُٹھائے رکھتی ہیں
خود سے ناآشنائیاں توبہ

زندگی کے کھلے سمندر ہیں!
میری بے دست و پائیاں توبہ
آبلوں کو گلاب کرکے رہیں
علم کی خستہ پائیاں توبہ

لفظ و معانی [معنیٰ] کے جنگلوں میں چراغ
روح کی بے نوائیاں توبہ

پھر کسی اُٹھتی جوانی کی دُعا ہو جائیے

جی میں ہے اب پھر کسی بُت پر فدا ہو جائیے
پھر کسی کی دُھن میں خود سے بھی جُدا ہو جائیے

پھر کسی کے دِل کی ہر دھڑکن کو اپنا لیجئے
پھر کسی کی ہر نگہ کا مدعا ہو جائیے

ہولے ہولے کھیلئے ان کے لبوں پر بار بار
ان کے ذو معنی تبسم کی ضیا ہو جائیے

پھر خرامِ ناز پر ہر ہر قدم کو چومئے
پھر کسی کا فرادا کی خاکِ پا ہو جائیے

بُلبلے بن بن کے اُٹھئے ساغرِ سرجوش میں
پھر کسی اُٹھتی جوانی کی دُعا ہو جائیے

پھر کسی ظالم کے ہاتھوں خود کو رُسوا کیجیے
پھر غرورِ حسن کے دُکھ کی دوا ہو جایئے

بندہ درگاہ سلامت ہے تو پھر کیا فکرِ یار
بے تکلف آپ احقر پر فدا ہو جایئے

چوم کر اُس کو سراپا شعلہ بن اٹھئے چراغ
اور جلتے آنسوؤں کا سلسلہ ہو جایئے

تجھ بن بہلایا سو طرح اس دل کو مگر بہلا نہ سکے

اک چہرے کو سنولا نہ سکے اک سورج کو گہنا نہ سکے
باقی ہر شے پر چھاتے رہے اک چاند پہ بادل چھا نہ سکے
جو نہ ٹوٹ سکے دیوانوں سے، اب تک تو کوئی دنیا والے
زنجیر ایسی پہنا نہ سکے، زنداں ایسا بنوا نہ سکے
بے خود سہی بے اوسان سہی پر اتنا بھی نادان نہیں
تجھ بن بہلایا سو طرح اس دل کو مگر بہلا نہ سکے
ہے جوشِ بہار اب کے بھی وہی غنچے بھی وہی ہیں گل بھی وہی
سینے میں یہ میرے پہلی سی اک آگ مگر بھڑکا نہ سکے
گو دولت، عزت، شہرت سب دل جائیں مگر کس مصرف کی
وہ غیر انسانی چالاکی جو پیار کے دھوکے کھا نہ سکے
جو چاہو کرو مالک ہو مگر دل ہے وہ چراغِ بے روغن
اک بار اگر بجھ جائے تو دوبارہ جلایا جا نہ سکے
دنیا ہو کہ دیں، زر ہو کہ زمیں، دل ہو کہ نظر، جاں ہو کہ ہنر
وہ مال بھلا کس مصرف کا جو مال لٹایا جا نہ سکے

حالات پہ بھی اس دُنیا میں موقوف بہت کچھ ہوتا ہے
اپنا بھی تھا اک اندازِ جنوں گو کام میں اسکو لا نہ سکے
جل اُٹھتے چراغ تو ممکن تھا ساری دُنیا لَو دے اُٹھتی
سلگا کئے ہم اندر اندر اور آگ کوئی بھڑکا نہ سکے

اضطراب ان کا میری گھبراہٹ

عشق سے میرے ان کی جھنجلاہٹ
تنگ کرتی ہے بن کے تریاہٹ

سُن کے اظہارِ عشق وہ بولے
کم ہی دنیا میں تجھ سے ہیں مُنہ پھٹ

ہائے کِس ناز سے وہ کہتے ہیں !
راستہ چھوڑ دے مرا چل ہٹ

نیلا پیلا کبھی ہے سُرخ و سفید
ترا چہرہ ہے یا کوئی گرگٹ

پھر میرے دِل سے بھی اُلجھ لینا
اپنی زُلفِ دراز سے تو نپٹ

نقش گڈ مڈ ہیں ذہن میں جیسے
فلم میں ہو ستاروں کا جھرمٹ

بار بار آ کے چومتی ہے جبیں؛
تیرے بالوں کی ایک چنچل لٹ

اس کے آتے ہی عرضِ مطلب کے
سارے منصوبے ہو گئے چوپٹ

دیکھ کر تجھ کو بھاگ جاتی ہے
عقل دولتی جھاڑتی سرپٹ

میں بتھا ڈائیلاگ بولنے میں محو
وُہ پکار اُٹھے بیچ ہی میں کٹ

تھی برابر کی چوٹ ملتے وقت
اضطراب ان کا میری گھبراہٹ

سونگھ لیتا ہے دور ہی سے چراغ
مرا دِل اس کی آنکھ کی آہٹ

پھولوں میں اب وہ اگلی سی باقی ہے بُو نہ باس

کیا کیجیے جو خود کو نہ کھینچے سپر دیاس
فرزانگی ہی بس کی نہ دیوانگی ہی راس
سب جانتے ہوئے بھی جو ہم یوں خموش ہیں
کچھ پاس ہے وفا کا کچھ اک بے وفا کا پاس
تم جو نہیں ہوسا تھ تو ہم مرنہیں گئے
ہم اب بھی جی رہے ہیں اگرچہ اداس اداس
گلشن اُجڑ کے اپنا بسا بھی تو کیا بسا؟
پھولوں میں اب وہ اگلی سی باقی ہے بو نہ باس
رند و فقیہہ و شیخ و برہمن کے سامنے
یہ مسئلہ ئے کس طرح رکھئے بجا حواس
تم نے ہماری سمت نظر تک نہ کی گو ہم
آئے تھے لے کے کتنی امیدیں تمہارے پاس
ہر شخص اپنے رنگ میں ملتا ہے لاجواب
اوڑھے ہوئے کچھ اپنے ہی ماحول کا لباس

باقی ہر ایک چیز ہے اس زندگی میں عام
ملتے ہیں کم چراغِ جہاں میں ادا شناس

سرِ بازار پھر رسوائیوں سے کب میں کھیلوں گا

ترے احساس کی بزائیوں سے کب میں کھیلوں گا
دوبارہ تیری حسن آرائیوں سے کب میں کھیلوں گا

کرونگا اُن سے میں پھر انبساطِ روح کا ساماں
ترے انفاس کی پروائیوں سے کب میں کھیلوں گا

میں پھر آغوش میں لیکر تجھے شرماؤں گا کس دن
ترے کردار کی گہرائیوں سے کب میں کھیلوں گا

کروں گا فیض حاصل اختلاطِ جاں پرور سے
تمہارے ساتھ پھر تنہائیوں سے کب میں کھیلوں گا

کسی قوسِ قزح کی گود میں لہراؤں گا پھر کب
کسی فردوس کی پرچھائیوں سے کب میں کھیلوں گا

تیری صحبت سے عطر کیف زا پھر کب نچوڑوں گا
تری آغوش کی پہنائیوں سے کب میں کھیلوں گا

تری اُٹھتی جوانی کی تلاطم خیز جولانی!
ستائے چھوڑتی انگڑائیوں سے کب میں کھیلوں گا

تیری زُلفوں سے الجھوں گا مجسّم انگلیاں بن کر
سکوتِ شب کی وحشت زائیوں سے کب میں کھیلوں گا

سرودِ جسم پر پھر کب خیالِ رُوح گاؤں گا
ترے جذبات کی شہنائیوں سے کب میں کھیلوں گا

لب و رُخسار چوموں گا ترے جانے دوبارہ کب
تیری کافر ادا رعنائیوں سے کب میں کھیلوں گا

تیرے پیراہن صد رنگ و صد خوبی میں پوشیدہ
تقدس کی صنم آرائیوں سے کب میں کھیلوں گا
انائے مہمل و مجہول سے پاؤں گا چھٹکارا
سرِ بازار پھر رسوائیوں سے کب میں کھیلوں گا
ضروری ہے مگر جانے چراغ اپنے ہی جیسے کچھ
خود برداشتہ سودائیوں سے کب میں کھیلوں گا!

پردہ اتفاق میں ٹوٹیں سبھی قیامتیں

اب جو بھی کچھ ہے راکھ ہے اب جو بھی کچھ ہے خاک ہے
عرصۂ یک نگاہ میں گزری ہیں وہ قیامتیں

غیروں کی بے نیازیاں اپنوں کی ترک تازیاں
یوں بھی ہمارا امتحاں، یُوں بھی ہماری شامتیں

ان کی نگاہ کی لپک یا مرے درد کی چمک
پردۂ اتفاق میں ٹوٹیں سبھی قیامتیں

ان کے ہر ستم کے بعد گزرا ہمیں یہی خیال
اب ہیں وہ شرمسار سے، اب ہیں انہیں ندامتیں

قطرۂ خوں ہو یا غزل، جوشِ جنوں ہو یا عمل
جذبۂ شوق اصل ہے باقی سبھی علامتیں

کام سے کام تھا چراغ، ہم نے کیا نہ التفات
اُٹھتی رہیں قیامتیں، ہوتی رہیں علامتیں

دُودھ اُبلتے دیکھا ہوگا

زخم سُلگتے دیکھا ہو گا
پھول مہکتے دیکھا ہو گا
جیسے کوئی تارا ٹوٹے
اشک ٹپکتے دیکھا ہو گا

اب ہم پر بھی وہی عالم ہے
سورج ڈھلتے دیکھا ہو گا
بام پر ان کا آنا دیکھو
چاند اُبھرتے دیکھا ہو گا

ان کی چال غضب متوالی
مور ٹہلتے دیکھا ہو گا
بس یونہی وہ اب ہلتے ہیں
پھول لرزتے دیکھا ہو گا

ان کے من کی موج کا کیا ہے
دودھ اُبلتے دیکھا ہو گا

جان لیوا ہے زہر نظر کا
سانپ کو ڈستے دیکھا ہو گا

جیسے لال انگارہ کوئی
داغ دہکتے دیکھا ہو گا

دل کا گھلنا، ایک چراغ
تم نے جلتے دیکھا ہو گا

اپنی تو صبح ہوتے ہی بس رات ہوگئی

یادش بخیر، رات عجب بات ہوگئی
تنہا تھے ہم کہ ان سے ملاقات ہوگئی

تم سے ملے تو پھر نہ ملے خود سے ہم کبھی
کچھ اس قدر عمیق مری ذات ہوگئی

سوچا تھا دِل جلائیں گے تو ہوگی روشنی
سائے وُہ اُبھرے تیرہ شبی مات ہوگئی

تنہا ہی ٹھیک تھے کہ معیت میں آپ کی
سنگین اور صورتِ حالات ہوگئی

بھڑکی جو آگ سینے میں آنسو نکل پڑے
اُٹھا دھواں جو دِل سے تو برسات ہوگئی

اس آنکھ کا تصرّفِ رندانہ دیکھئے
دِل کی تڑپ بھی داخلِ لذّات ہوگئی

ہر بات قالبِ حق و باطل میں ڈھل گئی
کوشش ہر ایک نذرِ تضادات ہوگئی

شاید اسی میں تھا کسی منزل کا کچھ نشاں
وہ زندگی جو وقفِ خرابات ہوگئی

ہم تو جوان ہوتے ہی بوڑھے ہوئے چراغؔ
اپنی تو صبح ہوتے ہی بس رات ہوگئی

مطلب کی بات کر دی ستمگر نے صاف گول

مفقود جب ہو جوہر ذاتی کا ناپ تول
بکتے ہیں سنگ ریزے بھی تب موتیوں کے مول

ان کا یہ حکم "عقدے تو بے شک جہاں کے کھول
نغموں میں اپنے میری محبت کا رس بھی گھول

ان کی نگاہیں ان کی حسیں مسکراہٹیں
دن رات مجھ سے کرتی ہیں باتیں یہ گول مول

مجھ کو لتاڑ کر ہیں وہ اب مضطرب سے کچھ
غصے میں کھول دوں نہ کہیں ان کے سارے پول

باتیں اِدھر اُدھر کی تو کیں مجھ سے بے شمار
مطلب کی بات کر دی ستمگر نے صاف گول

کس درجہ زندہ دل ہیں وہ کیا خوش مزاج ہیں
ملتے ہی مجھ سے کرنے لگے ہیں ہنسی ٹھٹھول

یہ ہی نہیں، ہے گوش بر آواز اک جہاں
لے اب تو منہ سے پھوٹ یہ مائک ہے اور یہ ڈھول

ان کی گلی کے پھیرے لگانے میں رات دن
گھس گھس گئے پشاوری چپل کے میری سول

بن ٹھن کے ان کے کوچے میں جاتے ہیں نوجوان
چکر یہ ہے کہ مل سکے ہیرو کا ان کو رول

محفل میں ان کی بار جو پایا تو یوں لگا
کر ڈالا پاک ٹیم نے بھارت پہ جیسے گول

کہتے ہیں وہ کہ تو نہیں دنیا کے کام کا
چل اب تو میرے نام کے دانے ہی بیٹھا رول

جوں تک کسی کے کان پہ رینگی نہ کچھ چراغ
پیٹا کئے ہزار محبت کے ہم بھی ڈھول

ایک اک اک آہٹ پہ جانے کیوں ٹھہر جاتا ہے دل

انتظارِ یار میں جب تھک کے رہ جاتا ہے دل
آرزوؤں کے سہانے جال پھیلاتا ہے دِل

ظاہرًا تیرے تغافل سے اثر لیتا نہیں،
آہ پر اندر ہی اندر خوں ہو جاتا ہے دِل

دید کے قابل وہ حالت اضطراب دل کی ہے
جب سمجھنے کا نہ سمجھانے کا رہ جاتا ہے دِل

آپ کی ادنیٰ توجہ پر نہ جانے کیا کرے
بے رُخی پر اس قدر جب ناز فرماتا ہے دِل

خود ہی تنہائی میں کرتا ہے گلے بھی آپ سے
خود ہی تاویلات بھی کرتا چلا جاتا ہے دِل

تم گئے ہو جب سے یہ معمول اس کا ہو گیا
انتظارِ نیم شب میں روز کھو جاتا ہے دِل

جانتا ہے آپ بے حد دُور ہیں پھر بھی چراغ
ایک اک آہٹ پہ جانے کیوں ٹھہر جاتا ہے دِل

سو گئے سب تو تیرے درد کے مارے جاگے

ڈوبا خورشید تو پھر چاند ستارے جاگے
ڈھل گیا وقت تو جذبات کے دھارے جاگے

آتشِ شوق بجھی دُود کے غنچے پھوٹے
زندگی سوئی تو خوابوں کے غبارے جاگے

آپ آئے تو محبت کی کسک بھی اُبھری
درد چمکا تو غمِ دہر کے مارے جاگے

ہم کہ بے رحم حقائق سے لپٹ کر سوئے
چند اک خوشنما خوابوں کے سہارے جاگے

کھل گیا زخم تو بھولے ہوئے غم یاد آئے
بند جب ٹوٹا تو بے آب کنارے جاگے

دل جو دھڑکا تو محبت کی بہاریں مہکیں
چہکی بلبل تو گلستان کے نظارے جاگے

تجھ سے تنہائی میں باتیں جو کریں لطف ملے
سو گئے سب تو ترے درد کے مارے جاگے

ہم نے تاریک دلوں میں جو سفر کی ٹھانی
برقِ جاں سوز کے پُرپیچ اشارے جاگے

شعلۂ جوشِ عمل سرد ہوا جب تو چراغ
چند موہوم امیدوں کے شرارے جاگے

اپنا جانو تو بات بن جائے

میری مانو تو بات بن جائے
اپنا جانو تو بات بن جائے

راز کو راز ہی جو رہنے دو
راز دانو تو بات بن جائے

تھوڑا تھوڑا سا درد بانٹ لو گر
مہربانو تو بات بن جائے

تم اگر خود پہ بھی یقیں کر لو
اے گمانو تو بات بن جائے

کر لو مرنے کا حوصلہ پیدا
نیم جانو تو بات بن جائے

دھڑکنیں گر عوام کی سن لو
حکمرانو تو بات بن جائے

تم سے تسکین ذوق ہو جائے
گلستانو تو بات بن جائے

اک چراغِ اُمید جلنے دو
آسمانو تو بات بن جائے

ایسا کہاں سے آئے ہم اپنا کہیں جسے

تنہائیوں کا فطرتی تقاضا کہیں جسے
سپنا وہ اک سہانا دھندلکا کہیں جسے

گر کر بلندیوں سے کسی بن میں کھو گیا
دھارا وہ آبشارِ تمنا کہیں جسے

کتنی اُداس اُداس مگر دلفریب ہے
تمثیلِ کائنات، تماشا کہیں جسے

عہدِ شباب تیری بہاروں کا ہے ثمر
وہ طفلکِ خمار اشارا کہیں جسے

قسمت ہی سے نصیب سفینوں کو ہو سکی
وہ موج، انقلاب کا دھارا کہیں جسے

بیگانہ وش ہے موت بھی، الم بھی، حیات بھی
ایسا کہاں سے آئے، ہم اپنا کہیں جسے

اے حُسنِ لازوال تجھے بھی نصیب ہے؟
جنت وُہ، اضطراب کی دُنیا کہیں جسے

ہوتا کہاں یہ حال جو ملتا اگر تجھے
وہ جوہرِ حیات سہارا کہیں جسے

باغ و بہارِ دل ہے شباب حیات ہے
وہ چشمِ ناز پیار کا نقشہ کہیں جسے

ہے منحصر حیات اسی سانس پر چراغ
اُمید و آرزو کا جنازہ کہیں جسے

کر گئی کارِ مسیحا خار کی نوکِ زباں

عُمر بھر خوش قسمتی سے رہے ہوں شاداں
ان کو میرے دِل کی کیفیت کا اندازہ کہاں

میکدہ کیا آستانِ یار کیا مندر کہاں
ہے وہی منزل ہماری تھک گئے ارماں جہاں

تیری آنکھوں نے بدل دی قسمت کون و مکاں
اک نظر میں بن گیا میں زندگی کا رازداں

راہبر ان کے بھی خواہ، راستے ان کے تمام
تا بہ منزل کیا پہنچتا پھر ہمارا کارواں

ساقیا تیرے تصدق ایک مے کا جام اور
مطربا! ہاں اور بھی اک نغمۂ آتش بجاں

آمد آمد کی خبر پا کر تمہاری دید کو
کچھ بچا رکھی تو ہے تھوڑی سی جانِ ناتواں

بُلبلِ شوریدہ کے نالے کہاں تھمتے چراغ ؔ
کر گئی کارِ مسیحا خار کی نوکِ زباں

درد وہی ہے درد جو سارے عالم کو تڑپاتا ہو

خوف اسے کیا جو مدھ ماتے پریم کے نغمے گاتا ہو
اُس کو کیا ڈر جو تاریکی میں شعلے بھڑکاتا ہو

چوٹ وہی ہے جو سارے جسم کو لرزا دیتی ہو
درد وہی ہے درد جو سارے عالم کو تڑپاتا ہو

دِل کی بات زباں پر ایسے چکر کھاتی پھرتی ہے
جیسے کبوتر گھر کے اوپر اوپر ہی منڈلاتا ہو

تم سے دور اکیلا ہوں پھر کیوں ایسے لگتا ہے
آنگن کی دیوار کے پیچھے جیسے کوئی گاتا ہو

کب سے اس ویرانے دِل میں کوئی کبھی آیا نہ گیا
پھر بھی دھڑکتا ہے یوں جیسے کوئی آتا جاتا ہو

جب بھی شام آتی ہے چاند کے پہلو میں جوتا رہے
تیری طرح یوں آنکھیں ملاے جیسے پاس بلاتا ہو

میرے اللہ اب تو کوئی ایسا کافر مکھڑا بھیج
آنکھ میں کھب کھب جاتا ہو جو روح میں بس بس جاتا ہو

اب تو میرا سانس بھی پھولا اب تو دِل بھی بیٹھ گیا
جیسے بھولا بھٹکا پنچھی اُڑ اُڑ کر تھک جاتا ہو

میرے سوا ہے کون جو تیری روح کے اندر جھانک سکے
اور ایسا ہے کون کہ جس سے تو یوں شرما جاتا ہو

چاند یہ اک بادل کا سنہری ٹکڑا اُڑتے دیکھو تو !
ہے نہ جیسے کوئی حسیں اپنا آنچل لہراتا ہو

تجھ سے ملنا ہو تو بھلا پھر اوروں سے کیسے نہ ملیں
ایسا رستہ کہاں جو بس اک تیرے گھر تک جاتا ہو

شام و سحر کچھ خوابوں سے یوں دِل کو بہلاتا ہوں چراغ
جیسے فرضی قصوں سے بچے کو کوئی بہلاتا ہو

موت، روحِ حیات ہے پیارے

جس میں رنگِ ثبات ہے پیارے
جذب و مستی کی بات ہے پیارے

غمِ جاناں کہ ہو جنوں پرور
حاصلِ کائنات ہے پیارے

جنبشِ چشمِ مست پر رقصاں
عالمِ واردات ہے پیارے

نیند بیداریوں کی جاں ہے اگر
موت روحِ حیات ہے پیارے

چھپ سکو تو چھپو مگر ہے محال
آئینہ شش جہات ہے پیارے

دل کی بست و کشود پر موقوف
وسعتِ ممکنات ہے پیارے!

کھول دے جو تصوّرات کی آنکھ
وہ رُخِ واقعات ہے پیارے

گردشِ مہر و مہ کے ساتھ چلو
اب اسی میں نجات ہے پیارے

آدمی جس کا نام ہے وہ چراغ
پیکرِ حادثات ہے پیارے

بوئے گل سونگھتے سارے ہی سکتّر نکلے

اپنے ہر کام میں ناکام و مکدّر نکلے
کتنے ہی لوگ اس عالم میں بداختر نکلے

کتنے ہی لوگ اس عالم میں بداختر نکلے
ایک دو بار نہ بلکہ بتواتر نکلے

کچھ جو ہستی کے سمندر سے قدآور نکلے
تیری آغوشِ محبت کے شناور نکلے

وہ جو اسٹیج پہ لگتے ہیں بظاہر بے خوف
اپنے کپڑوں تلے پہنے زرہ بکتر نکلے

یار سے دار تک جانے کے ارادوں والے
بندگان خدم و عہدہ و دفتر نکلے

میں نے تو پیار و محبت ہی کی باتیں کی تھیں
آپ کیوں بے سبب یوں آپے سے باہر نکلے

لوگ جو بھی گئے اس کوچے میں اکثر دیکھا
کچھ جو نکلے تو وہ استاد ہی بن کر نکلے

قوم کی قوم جو ایکٹر ہے تو بس ایک دھن ہے
باکس آفس کبھی اپنا کوئی پکچر نکلے

کام کیا ہوتا مرا اس گُلِ خوبی کے یہاں
بوئے گل سونگھتے سارے ہی سکتّر نکلے

چند گنتی کے نہیں ہم نے جو دیکھی تاریخ
عاشق اس فتنۂ عالم کے بہتر نکلے

جی میں تھا لیٹوں گا میں کار کے آگے اُنکی
وہ مگر راستہ ہی اپنا بدل کر نکلے

اب کہاں گھی شکر ہے صاحب حیثیت وہ
جس کے ہاں تیل کا چھوٹا سا کنستر نکلے

آتشِ عشق پہ نازاں تھے چراغ ھم اپنی
وہ بھی آگ لیے ھم سے فزوں تر نکلے

وہ آنکھ اُڑائیگی مرے قلب و جگر کیا

ہم تم ہوں جہاں ساتھ وہاں وقت کا ڈر کیا
دنیائے محبت میں کہاں شام سحر کیا

جس آنکھ سے اُٹھتی نہیں خود اپنی ہی پلکیں
وہ آنکھ اُڑائیگی مرے قلب و جگر کیا

وہ صحن ہو مسجد کا یا میخانے کی چوکھٹ
ہم دیکھنے جاتے ہیں ادھر کیا ہے اُدھر کیا

کیوں جھک گئیں اُٹھ کر تری مغرور نگاہیں،
اللہ نہ کرے چوک گیا تیر نظر کیا

اس دل کے تقاضے ہیں کبھی کچھ تو کبھی کچھ
ہو عہدہ برآ ان سے کوئی مجھ سا بشر کیا

جو زندگی اک غار میں محبوس ہوئی ہو
ہو اس میں کسی چاند ستارے کا گزر کیا

تھم جائے اگر وقت تو ہم صبر بھی کرلیں
چلتی ہوئی تلوار سے ہو حرفِ نظر کیا

دیکھو تو مری سمت کہ افلاک کے تارے،
چُن چُن کے چُرا لائے مرے دیدۂ تر کیا

وہ اب بھی نہیں مطمئن اللہ ہی جانے
باقی ہے چراغ اپنے اُجڑنے میں کسر کیا

ہے لہو آمیختہ جو بھی ہے سمجھانے کا راز

عمر بھر قصداً فریبِ عاشقی کھانے کا راز
آج تک پایا نہ ہم نے دل کے آ جانے کا راز

کچھ سم بادِ مخالف، کچھ کڑی کرنوں کے تیر
اور کیا ہے پھول کے بے وقت مرجھانے کا راز

لذتِ غم بھی عجب شے ہے اسی میں ڈھونڈیے
زُلفِ غم کو اپنے پیچ و خم میں الجھانے کا راز

اور کیا ہو سکتا ہے میری محبت کے سوا
میرے گھر آنے ترا دشمن کے گھر جانے کا راز

چند در چند اتفاقی حادثوں کے ہاتھ میں
ہم نے پایا عقدۂ تقدیر کُھل جانے کا راز

ناز ہے معصومیت ہے یا حیا یا دِل کا چور!
آج تک سمجھے نہ ہم کچھ تیرے شرمانے کا راز

مہرباں نامہرباں بن کر ستم ڈھاتے رہے
یہ توجہ آہ مجھ پر صرف فرمانے کا راز

راہبر یا راہزن یا راہرو کوئی بھی ہو
پائے ہے منزل پہ جا کر ٹھوکریں کھانے کا راز

زندگی نے خون دے دے کر چھپایا ہے اسے
ہے لہو آمیختہ جو بھی ہے سمجھانے کا راز

زخم جو لگتا ہے اکثر پھول بن جاتا ہے وُہ
بس یہی ہے زندگی کا زہر پی جانے کا راز

ہم نے دیکھی ہیں وُہ آنکھیں ہم سمجھتے ہیں چراغ
رات دن شمس و قمر کے نُور برسانے کا راز

فیشن نے فرق مرد اور زن کا اُٹھا دیا

اس دِل کو امتحان کا مرکز بنا دیا
تم نے تو آ کے جان کا دھڑکا لگا دیا

بیٹھے تو اہلِ بزم الکٹرون بن گئے
اُٹھے تو بیخ و بن سے سبھی کچھ اُڑا دیا

آئے تو میری عقل کا بھرکس دیا نکال
اور جب گئے تو دِل کا کچومر بنا دیا

اُٹھ کر چلے تو ہر کہ و مہ کی نظر اُٹھی
اور جب رُکے کہیں پہ تو سرکس لگا دیا

تم مجھ کو دیکھتے رہے میں نے نہ کچھ کہا
دیکھا جو میں نے تم کو تو ٹھینگا دکھا دیا

نازک قدم وہ، چیونٹی جو پاؤں تلے دبی
سمجھی کسی نے پیار سے کمبل اڑھا دیا

زیبائشِ و لباس ہو یا چال ڈھال ہو
فیشن نے فرق مرد اور زن کا اُٹھا دیا

سائنس کا کرشمہ یہی کم نہیں چراغ
عورت کو مرد، مرد کو عورت بنا دیا

یارب ترے کرم کے سوالی کو کیا کروں

اِس دِل کو، اِس کی خام خیالی کو کیا کروں
یارب تیرے کرم کے سوالی کو کیا کروں

سارا چمن لٹا کے سِلے جو مآل کار
اے دل اِس ایک پھول کی ڈالی کو کیا کروں

میری بہارِ رفتہ جو واپس نہ لا سکے
ابرِ بہار ایسی بحالی کو کیا کروں

مانا کہ مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہے
میں اپنے دِل کی زود ملالی کو کیا کروں

ممکن تو ہے کہ اُڑ کے پہنچ جاؤں آپ تک
لیکن میں اپنی بے پرو بالی کو کیا کروں

اے رات مجھ کو تیرے اندھیرے ہی راس ہیں
میں زر نگار چاندنی جالی کو کیا کروں

تاروں کو تو میں اشک بنا کر سمیٹ لوں
سیمیں عذار چاند کی بالی کو کیا کروں

پہنچا سکے نہ جو درِ محبوب کے قریب
ایسی چراغ ہمت عالی کو کیا کروں

ہم ہیں بجھتے چراغ کے ارماں

زندگی سے نجات کے خواہاں
ہم بہت ہیں مگر نجات کہاں

ہم غمِ دل سنانے آئے تھے
آپ لے بیٹھے قصۂ دوراں

جان لے کر ہی کچھ ٹلے تو ٹلے
اک ستمگر کا جورِ بے پایاں

ڈھونڈتے ہیں وفا سرشتوں کو
آہ ہم بھی ہیں کس قدر ناداں

ہم سہارے تلاش کرتے ہیں
جگ میں جو خود ہے دشمنِ انساں

کوئی شکوہ نہیں زمانے سے
ہم ہیں اپنے شعور سے نالاں

کامیابی کو واضح کہتے ہیں
کتنے معصوم ہیں مرے ارماں

ان کے قدموں کی خاک بن جاؤں
اس قدر بھی مری بساط کہاں

کب سے رہے ہیں دھوئیں کے مرغولے
ہم ہیں بجھتے چراغ کے ارماں!

ہے خموشی میں بھی کلام کا رنگ

ہے کچھ اس میں چھلکتے جام کا رنگ
دیدنی ہے ترے کلام کا رنگ

خون اُگلا ہے زندگی نے مگر
ہے نشانِ سحر یا شام کا رنگ

دے نہ پائی بہار سب دے کر
سبزہ و گل کو اک دوام کا رنگ

دھو کے کھائے کہ کچھ کھلے تو سہی
زندگیِ شرار گام کا رنگ

یوم اتمت بن کے چھایا ہے
ان کے رُخ پر مہِ تمام کا رنگ

تیری آنکھوں کی ساحری توبہ
ہے خموشی میں بھی کلام کا رنگ

وحشتوں کا نکھار بن کے رہا
تیری زلفِ سیاہ فام کا رنگ

چند اشکوں میں آگیا کھنچ کر
میری ہر سعی ناتمام کا رنگ

دے دیا ہے چراغ نے بجھکر بُجھکر
ابتدا ہی کو اختتام کا رنگ

اور ان کے ہاتھ میں ساغر ہیں جن کو پیاس نہیں

یقین رکھیئے میں احسان ناشناس نہیں
یہ اور بات سراپا اگر سپاس نہیں

شبِ فراق ہے اور کوئی آس پاس نہیں
عجیب بات مگر پھر بھی دل اُداس نہیں

وہ ہم کہ قطرۂ شبنم کو بھی ترستے ہیں
اور ان کے ہاتھ میں ساغر ہیں جنکو پیاس نہیں

بساطِ دہر پہ اے دل برائے رقصِ حیات
جنونِ شوخ سے بڑھ کر کوئی لباس نہیں

خُدا کا شکر کسی شے کی حرص ہے نہ ہوس
اگرچہ دولتِ دُنیا ہمارے پاس نہیں

یہاں ہیں نفس پرستی کی آندھیاں ہر سو
فضائے دہر چراغِ وفا کو راس نہیں

جدید دور میں تعمیرِ زندگی کے لیے
دِل و نظر کے فسانے کوئی اساس نہیں

چراغ دہر میں بے کار ہے تلاشِ سکوں
خدا گواہ یہ دولت کسی کے پاس نہیں

آنکھوں میں تیری تاج محل ڈھونڈ رہا ہوں

آوارگیِ شوق کا حل ڈھونڈ رہا ہوں
آنکھوں میں تیری تاج محل ڈھونڈ رہا ہوں

تیرے قد و قامت میں قیامت کے قصیدے
چہرے میں کوئی تازہ غزل ڈھونڈ رہا ہوں

تو بھی ملے دنیا بھی ملے خود کو بھی پاؤں
ایسا کوئی دستورِ عمل ڈھونڈ رہا ہوں

میں زندگی کی سرد و سیہ جھیل پہ اب بھی
نوزوں ڈھلی قدروں کے کنول ڈھونڈ رہا ہوں

بے برگ و ثمر سخت چٹانوں میں چمن زار
بے آب و گیاہ ریت میں ڈل ڈھونڈ رہا ہوں

اظہارِ تمنا سے ہوئے لوگ تو فارغ
میں ہوں کہ ابھی موقع محل ڈھونڈ رہا ہوں

وہ کب کا گزر بھی گیا لیکن میں ابھی تک
بحران کے اسباب و علل ڈھونڈ رہا ہوں

میں لوحِ تصور پہ گل و ماہ بنا کر
~~تدبیر میں تقدیر کا پھل ڈھونڈ رہا ہوں~~
اک پیکرِ خوبی کا بدل ڈھونڈھ رہا ہوں

وہ طوق ہے سونے کا یہ ہے آہنی پھندا
کھو یا گیا ڈالر تو روبل ڈھونڈ رہا ہوں

پڑتی ہیں چراغ اپنی تدابیر جو الٹی
کس برج میں وارد ہے زحل ڈھونڈ رہا ہوں

بس اتنی حقیقت ہے مری سعی و عمل کی
تدبیر میں تقدیر کا پھل ڈھونڈھ رہا ہوں

غمِ زندگی کا گیسو ترے درد نے سنوارا

کوئی زندگی سے کہہ دو مجھے بخش دے دوبارا
وہ سکونِ برق ساماں وہ جنوں کا شرارا

تو کہیں بھی ہو مگر ہوں میں ترا بہت ہی ممنون
کہ لیا ہے میں نے اکثر تری یاد کا سہارا

مرے روز و شب کا محور مرے فکر و فن کا مرکز
تری دلنواز آنکھیں، ترا حسن عالم آرا

کسی اور سے سلجھنے کی یہ چیز ہی نہیں تھی
غمِ زندگی کا گیسو ترے درد نے سنوارا

تری آرزو ہے پیہم تیری جستجو مسلسل
اسی رو میں بہہ رہا ہے مری زندگی کا دھارا

ترا زیرِ لب تبسم وہ حیات بخش نغمہ
کسی ساز میں نہیں ہے کوئی راگ جس سے پیارا

ترا ذوق پاک طینت مرا شوق پاک باطن
ترا حسن بھی دوشیزہ مرا عشق بھی کنوارا

مجھے دے گیا غمِ دل مجھے کر گیا خود آگہ
ترا نازِ بے محابا ترا عشوۂ خود آرا

یونہی ہوتا آ رہا ہے اسے چراغ کچھ ازل سے
ہوا کب کوئی کسی کا جو ہو آج وہ ہمارا

مدہوش ہے دنیا تری چتون کی پھبن سے

مطلب کہاں اب اِسکو ترے چال چلن سے
مدہوش ہے دُنیا تری چتون کی پھبن سے

ویسے تو کوئی کام نہیں ہے مجھے بن سے
ہاں ایک تعلق سا ہے اک وحشی ہرن سے

ہے کام کی کچھ سانس وہی چھان کے لی جائے
جو آپ کے مہکے ہوئے گلرنگ بدن سے

ہو جس کی حقیقت کہ تہِ سُرخی و پاؤڈر
ڈر لگتا ہے اس حُسن کے دیوالیہ پن سے

ویسی ہی چمکدار، پُراسرار، خطرناک
تشبیہ دُوں آنکھوں کو تری ناگ کے پھن سے

سچ یہ ہے کہ اس آنکھ کی انمول توجہ
حاصل نہیں ہو سکتی کبھی فتنہ وفن سے

کچھ ایسے بھی انعام خداوندِ ازل ہیں
جو دھونس سے ملتے ہیں لجاجت سے نہ دھن سے

آتا ہے کبھی یاد جوانی کا جو عالم
گولی کی طرح آہ نکل جاتی ہے تن سے

کرتی ہے زیادہ ہی دل وجان کو سیراب
وہ ترچھی نظر صبح کی رو پہلی کرن سے

بے شک ترا آئینہ کردار مجلاّ
سُورج کی طرح ہے ترے بے ساختہ پن سے

اے کاش مری سمت نظر آپ بھی کرتے
دیکھا کئے ہم آپ کو کس کس نہ لگن سے

کچھ بات تو ہے ورنہ چراغ ان دنوں کیوں وہ
آتے ہیں نظر خود میں زیادہ ہی مگن سے

چاند تارے نہ کریں تیرہ شبوں کی باتیں

زخم پھر پھوٹے کریں آؤ سکوں کی باتیں
پھر کھلے پھول چلیں دشت و جنوں کی باتیں

دل کے ناسور پہ مرہم نہ کوئی کام آیا
چھڑنی پڑ گئیں پھر نشتر و خوں کی باتیں

آؤ مظلوم تمناؤ اکٹھی ہو جاؤ
آج پھر کرنی ہیں بیدادگروں کی باتیں

دن دہاڑے جنہیں لوٹا گیا اُن سے پوچھو
چاند تارے نہ کریں تیرہ شبوں کی باتیں!

جی میں ہے پھیر لیں دنیا سے نگاہیں اپنی
سُن کے خود کام سے کچھ دیدہ وروں کی باتیں

جب بھی میں ساغرے ہاتھ میں لیتا ہوں کبھی
یاد آجاتی ہیں کچھ تشنہ لبوں کی باتیں

اور سب کچھ تو فراموش ہوا سیلِ غم میں
رہ گئیں تیرے سحر کار لبوں کی باتیں

خار زارِ غم ہستی سے الجھنا ہے چراغ
آج ہاں کر لے مری جان گلوں کی باتیں

چلتا پرزہ ہے چشمِ یار بہت

کر چکے عشق زہر مار بہت
ہو چکے آپ پر نثار بہت

ہر جواں ذھن پر نہ جانے کیوں
عشق کا بھوت ہے سوار بہت

دل ہے سادہ غریب عاشق کا
چلتا پرزہ ہے چشمِ یار بہت

شہر در شہر بستی در بستی
آجکل حسن کا شکار بہت

کچھ تو ہم خود بھی ہیں پھسڈی سے
اور کچھ وہ ہیں دیندار بہت

جھاڑ جھنکار، خار و خس سے بھرے
ذہن، انساں میں انتشار بہت

پھول بن کر یہاں سما جاؤ
دیدہ و دل ہیں بے بہار بہت

ترے پہلو میں مجھ کو حاصل ہے
بے قراری میں بھی قرار بہت

چشمِ یار آ ذرا حساب چکا
ترے ذِمّہ ہے کچھ ادھار بہت

دشمنِ جان و دل تری آنکھیں
اس پہ بنتی ہیں نیکوکار بہت

بیچ کے رہنما چراغ ہیں ان کے
ناوکِ چشم دور مار بہت

میں گل ہوں تو گلزار مرا، تو صبح میں صبح کا تارا ہوں

میں چاند ہوں تو خورشید مرا تو کیمیاگر میں پارہ ہوں
میں گل ہوں تو گلزار مرا تو صبح میں صبح کا تارا ہوں

تو جانِ جہاں میں رُوحِ طلب، تو سرو، وُہاں میں نقشِ قدم
میں تجھ سے ہوں تو مجھ سے ہے تو آگ تو میں انگارا ہوں

خستہ بھی بہت ہیں نازک بھی اوراق کتابِ ہستی کے
بے پرواہی سے اُلٹنے میں ایسا نہ ہو پارہ پارہ ہوں

ہم ان کو غنیمت جان کے کچھ سہنے کو تو سہہ لیتے ہیں مگر
ہنس ہنس کے جو بخشو تم ان کو یہ زخم بہت دل آرا ہوں

مزدور ہوں دولت مند نہیں اور اتنا فرق سمجھتا ہوں
وہ سعی و عمل سے بنتے ہیں میں سعی و عمل کا مارا ہوں

ناکردہ گناہوں کا مدفن، ہوں حسرت و حرماں کا مارا
کھنڈرات بھرا اک شہر ہوں میں عبرت انگیز نظارا ہوں

جلتا ہوں چراغ اور نور نہیں، تدبیر کوئی مقبول نہیں
کیا میں اپنے بے رحم سماج کے پاپوں کا کفّارا ہوں۔

ایک دِل تھا اس کا بھی لو حصہ بخرا ہو گیا

تو نے کیا دیکھا اسے مجھ کو یہ خطرہ ہو گیا
ایک دِل تھا اس کا بھی لو حصہ بخرا ہو گیا

سادگی میں ہم جسے سمجھے ~~تھے~~ بس کہ انکار ہے
وہ سری کوتاہی قسمت سے نخرا ہو گیا

دِل ہجومِ یاس میں کچھ اس طرح کانپا ہے آج
شعلۂ احساس کا رنگ اور گہرا ہو گیا

اور سب باتیں مری وُہ غور سے سُنتے رہے
بات مطلب کی جو کی احمق وغیرہ ہو گیا

نام تو راہِ محبت تھا مگر اس راہ میں
ٹھوکریں اتنی لگیں مجھ کو کہ پٹڑا ہو گیا
پٹرا

ہر مخالف سے نپٹنے اسکو آگے کر دیا
عاشقِ بے تاب قربانی کا بکرا ہو گیا

ان کے دُشنام معنبر ہی تو تھے سُننے کی چیز
ہائے وہ عاشق کہ جو قسمت سے بہرا ہو گیا

جب وُہ خوش تھے مجھ کو اپنی جان کہتے تھے چراغ
اور جب برہم ہوئے میں ایرا غیرا ہو گیا

آغاز ہی اپنے بس کا نہ تھا انجام کا رونا کیا روئیں

اے دوست ہم اپنی آرزوئے ناکام کا رونا کیا روئیں
آغاز ہی اپنے بس کا نہ تھا انجام کا رونا کیا روئیں

ممکن ہی نہیں جب جی لینا بے آہ و فغاں بے نالۂ غم
حاصل ہی نہیں جب ہو سکتا آرام کا رونا کیا روئیں

بے مقصد زندہ رہنے کا یہ ایک نتیجہ ہوتے ہیں
خود اپنی کرنی کا پھل ہیں آلام کا رونا کیا روئیں

میرے بھی افق پر اُبھرے گا صد رنگ سویرے کا پرچم
یہ شام گزرنے والی ہے اس شام کا رونا کیا روئیں

خود اپنے لگائے جالوں سے اب چھوٹ نکلنا مشکل ہے
جو دام لگایا غیروں نے اس دام کا رونا کیا روئیں

ہم کہتے رہیں گے دل کا کہا ہم کرتے رہیں گے تم سے وفا
ضد آپ کی خو ہے اس خوئے بدنام کا رونا کیا روئیں

مانا کہ لبوں کے پاس آکر چھوٹا ہے مگر کیا ہوتا ہے
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا اب جام کا رونا کیا روئیں

روٹھے ہوئے بھی ہیں بر ہم بھی اب ان کا منانا مشکل ہے
جو کام بنانا مشکل ہے اس کام کا رونا کیا روئیں

الزام محبت بھی کوئی الزام ہے جس کا غم کھائیں
یہ زندگی خود الزام ہے اک الزام کا رونا کیا روئیں

گمنام بھی جینا ممکن ہے بے شان بھی مرنا جائز ہے
پھر جیتے جی بیکار نمود و نام کا رونا کیا روئیں

اک ہم ہی نہیں سب جلتے ہیں اک ہم ہی نہیں سب روتے ہیں
پھر ہم ہی چراغ اس ہستی کے آلام کا رونا کیا روئیں

آ کسی انسان کی باتیں کریں

شعلۂ وجدان کی باتیں کریں
مضطرب مہمان کی باتیں کریں

عشق کے پیکان کی باتیں کریں
رُوح کے ہیجان کی باتیں کریں

ہو چکا ذکرِ خُدا، ذکرِ بتاں
آ کسی انسان کی باتیں کریں

عقدۂ مشکل کا حل ڈھونڈیں کوئی
رشتۂ آسان کی باتیں کریں

جادۂ معلوم سے ہٹ کر کسی
جذبۂ انجان کی باتیں کریں

ڈوبنے والوں کا قصہ چھوڑ کر
شوکتِ طوفان کی باتیں کریں

عقل کو واعظ کے ذمّہ ڈال کر
آ دلِ نادان کی باتیں کریں

آ اُکھاڑیں خیمہ اغراضِ نفس
اک کھُلے میدان کی باتیں کریں

ہو چکی فکر و نظر کی گفتگو
آ چراغ اب نان کی باتیں کریں

کچھ لوگ فراموش کئے بھی نہیں جاتے

کچھ لوگ فراموش کئے بھی نہیں جاتے
چند ایک صنم توڑ دیئے بھی نہیں جاتے

اک وقت تھا ہر بات میں تھا ذکر انہیں کا
وہ نام جو اب ہم سے لئے بھی نہیں جاتے

اے چارہ گرو تم بھی یہ تسلیم کرو گے
کچھ زخم ہیں ایسے کہ سیئے بھی نہیں جاتے

یہ زندگی اتنی تو نہیں پیار کے قابل
کیوں زہر کے دو گھونٹ پئے بھی نہیں جاتے

احباب خدا جانے انہیں پر ہیں مُصر کیوں
وہ زخم جو سینے پہ لئے بھی نہیں جاتے

اُف ان سے گزر باعث گردن زدنی ہو
وہ راستے جو چھوڑ دیئے بھی نہیں جاتے

رکھتے ہیں جو بے چین شب و روز وہ افکار
الفاظ میں محصور کئے بھی نہیں جاتے

روشن جو چراغ آپ نے خود دل سے کئے تھے
مجھ سے تو بجھائے وہ دیئے بھی نہیں جاتے

مجھ کو جینے کیلئے ہے ایک قاتل کی تلاش

بے سر و پا زندگی میں جذب کامل کی تلاش
جیسے طوفاں میں کسی خاموش ساحل کی تلاش

جو سکوں بخشے مکمل کر دے جو سیراب عشق
مجھ کو ہے اب ایک ایسے نغمۂ دِل کی تلاش

مسجد و مندر ہوں میخانہ ہو بن ہو شہر ہو
مضطرب رکھتی ہے دِل کو روئے کامل کی تلاش

بحر میں نیلی فضا میں خاک پر افلاک پر
مجھ کو آوارہ لیے پھرتی ہے منزل کی تلاش

آنکھ کرتی ہے تقاضا پھر نگاہِ ناز کا
دِل مرا کرتا ہے پھر غارت گرِ دل کی تلاش

میری ذہنی کشمکش کا کوئی خاتم بھی تو ہو
مجھ کو جینے کے لیے ہے ایک قاتل کی تلاش

زندگی صحرا بداماں ہے محبت اک سراب،
ہے محبت کی تلاش اک نقشِ باطل کی تلاش

جہل کی حالت میں تھی عقل و خرد کی جستجو
با خرد ہونے پہ اب ہے وحشتِ دِل کی تلاش

وہ امنگیں ہیں نہ وہ دِل ہے نہ وہ ذوقِ طلب
ہے نہ جانے کیوں مجھے پھر بھی غمِ دِل کی تلاش

جو مجھے چاہے چراغِ ہر ایک کمزوری سمیت
مجھ کو اس دِل کی تمنا مجھ کو اس دِل کی تلاش

دِل ہے سینے میں یا کبوتر ہے

کوئی مادہ نہ آج کل نر ہے
عشق میں ہر کوئی برابر ہے

خیر و شر، خوب و زشت، فکر و عمل
زندگی اک عجیب مِکسچر ہے

دِل بدلنے کی اور بات مگر
لا علاج اپنے دِل کا پنکچر ہے

آج جُھنجھلا کے کہہ دیا اُس نے
آدمی ہے کہ تو پلستر ہے

یہ غٹرغوں کا شور شام و سحر
دِل ہے سینے میں یا کبوتر ہے

چاند آگے ہے، پیچھے ایٹم بم
موت اِس زندگی سے بہتر ہے

اب سیاست کہاں کہ پیشِ نظر
دوستی دشمنی کا چکر ہے

ٹیڈی ملبوس ٹیڈی فکر و نظر
ٹیڈی قدریں ہیں ٹیڈی کلچر ہے

نوجوانوں کا کیا تصور چراغؔ
ٹیڈی پن کا رواج گھر گھر ہے!

مجھ کو دم لینے نہ دیگی آبلہ پائی مری

ایک غربت کی مصیبت ایک تنہائی مری
آہ پردیسی فضاؤں میں یہ رسوائی مری

مسجد و مندر ہوں یا میخانۂ آتش کدہ
کام گر آئی تو کچھ ان سے شناسائی مری

میخانہ و آتش کدہ

میں گیا گزرا مقدر وہ اُبھرتا آسماں
اس حریم ناز تک کیا ہو پزیرائی مری

وقت بھی یاور ہوا تھا میں بھی تھا پا بہ رکاب
ان کو یاد آئی تو کس ہنگام یاد آئی میری

تشنگی خار مغیلاں کی ہے جب تک برقرار
مجھ کو دم لینے نہ دے گی آبلہ پائی میری

انقلابات زمانہ کی کرشمہ سازیاں
اللہ اللہ آپ اور یہ ہمت افزائی مری

پی لیا بد قسمتی نے خون بھی میرا چراغ
چوس لی وحشی حوادث نے توانائی مری

میرے لبوں کی مہر ہو اور آپ کی جبیں

اک آگ ہے جو میرے سراپے میں جا گزیں
میرے نفس کی آمد و شد تک ہے آتشیں

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل وہ سر بکف
ہے زندگی پہ موت کا سایہ مگر حسیں

اس بحرِ بیکراں میں بھنور ڈھونڈیے کہ لوں
ملتا ہے زندگی کا کنارا کہیں کہیں

مل جل کے کیوں نہ گردشِ دوراں کو بانٹ لیں
اللہ کا آسمان ہے اللہ کی زمیں

ہاتھوں میں میرے آپ کا چہرہ ہو پھول سا
میرے لبوں کی مہر ہو اور آپ کی جبیں

کتنے ہی لوگ ایسے ملے تیری بزم میں
تیری نوازشات جنہیں بانجھ کر گئیں

تم اور کرو وفا کا ارادہ؟ غلط، غلط
تم سے ہو اور جرمِ محبت؟ نہیں نہیں

ہنگامے اس جہاں کے سبھی کس خوشی میں ہیں
پوچھیں چراغ ان سے اگر وہ ملیں کہیں

ہاں کسے خواہشِ وصال نہیں

کون وارفتۂ جمال نہیں
ہاں کِسے خواہشِ وصال نہیں

چاند تاروں سے دوستی کرلو
صبح ہوگی یہ احتمال نہیں

تم ملے تھے تو کیا ملا تھا ہمیں
اب نہ ملنے کا کچھ ملال نہیں

آپ کے ہونٹ جب تک نہ ہلیں
کوئی پتّہ ہلے مجال نہیں

زندگی دوڑ ہے مگر اس میں
کون جیتے گا یہ سوال نہیں

زخم جو تیری آنکھ نے بخشے
سہل کچھ ان کا اندمال نہیں

آپ چاہیں تو کیا نہیں ممکن
بخش دیں مجھ کو بھی محال نہیں

زندگی جنگ ہے اور اپنے ہاتھ
کوئی تلوار کوئی ڈھال نہیں

ان کی ساری عنائتیں برحق
یہ الگ بات حسبِ حال نہیں

دِل ہی دِل سے اگر مِلے نہ چراغ
باعثِ تازگی وصال نہیں

اُلٹا رستہ دکھا کے چھوڑ دیا

جاں نثاری سکھا کے چھوڑ دیا
مجھ کو اپنا بنا کے چھوڑ دیا

عذرِ مشقِ ستم کے پردے میں
تھوڑا تھوڑا ستا کے چھوڑ دیا

میں تصدق تری جفاؤں کے
مجھ کو انساں بنا کے چھوڑ دیا

از رہِ نذر ساری دُنیا کو
ان کے قدموں پہ لا کے چھوڑ دیا

بے خودی میں کیا نہ کیا کچھ
خود انہیں بھی تو پا کے چھوڑ دیا

رہنما بن کے شوخ نے اکثر
اُلٹا رستہ دکھا کے چھوڑ دیا

تیری جذبہ شناسیاں توبہ
بزم بھر کو نچا کے چھوڑ دیا

جب ہوئی مضمحل کبھی محفل
کوئی فتنہ جگا کے چھوڑ دیا

التجائے نگاہ الفت پر
دستِ عاشق دبا کے چھوڑ دیا

اُف تلون چراغ قسمت کا
جس نے منزل پہ آ کے چھوڑ دیا

ہر اک نشانِ راہ مٹاتے چلے گئے

دستورِ کائنات نبھاتے چلے گئے
ہم زندگی کے ناز اٹھاتے چلے گئے

تیری جفا کی بات بڑھاتے چلے گئے
طولِ شبِ فراق گھٹاتے چلے گئے

رہبر غبار ایسا اُڑاتے چلے گئے
ہر اک نشانِ راہ مٹاتے چلے گئے

اوروں کو لوٹنا نظر آیا جو کچھ محال
جو کچھ تھا اپنے پاس لٹاتے چلے گئے

وہ آگ ہی نہیں ہے تو پھر روشنی کہاں
جیسے جلے چراغ جلاتے چلے گئے

ہم قصۂ نیازِ محبت کہا کئے
وہ داستانِ ناز سناتے چلے گئے

جب تک نہ کھائی زندگی وموت نے شکست
ہم زہرِ عشق خوں میں ملاتے چلے گئے

کیف و نشاط جن کے مقدر میں تھے ہوئے
ہم رنج و غم سے کام چلاتے چلے گئے

جھوٹی تسلیوں سے نہ بہلا جو دل کبھی
ہم خون کے چراغ جلاتے چلے گئے

نبی کا مسلکِ اطہر ہے میں ہوں

شبِ غم ہے دلِ مضطر ہے میں ہوں
تری بے داد کا نشتر ہے میں ہوں

کوئی ہو یا نہ ہو عنوان لیکن
وہ چشمِ داستاں پرور ہے میں ہوں

بڑی ظالم حقیقت ہے یہ سپنا
تصوّر میں ترا پیکر ہے میں ہوں

افق پر نیم پنہاں ، نیم عریاں
سلگتی شام کا منظر ہے میں ہوں

پئے لیے جاتا ہوں روز و شب مسلسل
تمہاری یاد کا ساغر ہے میں ہوں

یہی ٹھہری ہے حاصل زندگی کا
تمناؤں کی خاکستر ہے میں ہوں

ترے صدقے دلِ آگاہ ہر صبح
مقابل اک نیا محشر ہے میں ہوں

نہیں رشتہ کوئی باقی جہاں سے
تری دہلیز کا پتھر ہے میں ہوں

ہے سب کچھ ہیچ اب اس کے علاوہ
نبی کا مسلکِ اطہر ہے میں ہوں

شگفتہ لہلہاتا آنسوؤں میں
چراغِ عکسِ رخِ دلبر ہے میں ہوں

اخترِ صبح کی صورت ہے تری پہلی نظر

آپ کی یاد میں ایسا بھی ہوا ہے اکثر
ہو گئی آنکھوں ہی آنکھوں میں شبِ تار بسر

کوئی امید کا کوچہ نہ تمنّا کا نگر
دِل کے رشتوں نے کیا رُوح کو ایسا بے گھر

ضبط سے کام لوں میں آپ نگاہیں روکیں
میری دانست میں فی الحال یہی ہے بہتر

خوب تھا ویسے تو نظارۂ گلزارِ خرد
دِل کو بھایا ہے مگر دشتِ جنوں کا منظر

آج تک ثابت و روشن ہے میرے سینے میں
اخترِ صبح کی صورت ہی تری پہلی نظر

آپ سے آنکھ ملانے کی جو جرأت کی تھی
راہ گم کردہ و آوارہ سے ہیں شمس و قمر

جبر کا دائرہ اس طرح سے کھینچا تم نے
دِل ہی تک رہ گئیں سب خون کی راہیں کٹ کر

سینے میں ایک مہروش کو بٹھا کر ہم نے
کرنی چاہی تھی چراغ اپنی شبِ غم کی سحر

کام کر کام میرا نام نہ جپ

ہوش سے کام لے نہ مار یہ گپ
تو کہے اے دِل اور اُن سے "شٹ اپ"

حسن اور عشق کے تقابل پر
ان سے دلچسپ تھی ہماری جھڑپ

جسم بیمار، روح خستہ حال
موت ہی اب کرے گی کایا کلپ

حسن کا رعب و دبدبہ توبہ
چڑھ گیا ان کو دیکھتے ہی تپ

آپ آئے نہ رات بھر افسوس
ورنہ رہتی کچھ آپ سے گپ شپ

چائے پیتا تھا میں کہ وہ آئے
گر کے ٹوٹا ہمارے ہاتھ سے کپ

تحمل دِل پر کبھی جو بور آیا!
مار پتھر گرایا اُس نے دھپ

اس ترقی کے دور میں یارو
وقت ہر وقت چیختا ہے "اپ"

ہم نے آنکھوں میں ان کو جا دی تھی
کر گئے وہ تو میرا دِل بھی ہڑپ

کوئی سرمایہ کار مل نہ سکا
ا ہوگیا کاروبارِ عشق بھی ٹھپ

میں نے جانا وہیں کہ تم آئے
میری چندھیا پہ جب پڑی ہے دھپ

ہائے اب وہ بھی کہہ رہے ہیں چراغ
"کام کر کام، میرا نام نہ جپ"

یارب ٹوٹ کر برسیں آنکھیں کوئی ایسی چوٹ لگے

سجھائی

کچھ تو مطلع صاف ہو دِل کا کچھ تو راہ سمجھائی دے
یا رب ٹوٹ کے برسیں آنکھیں کوئی ایسی چوٹ لگے

تم کو اپنے حُسن کا غرہ ہم کو اپنے عشق پہ ناز
تم بھی سچے ہم بھی سچے پھر اب کیونکر بات بنے

ظُلم اُن کے مشہورِ زمانہ، ان کے ستم معروفِ جہاں
یہ سب کچھ ہی سچ ہے یارو لیکن ان سے کون کہے

جنگل ہے نہ صحرا ہے یہ دشت نہ یہ ویرانہ ہے
یہ تو کوچۂ یار ہے اے دِل ادھر کہاں تم بھول پڑے

اپنے اپنے غم کے مارے دُکھی ہیں سب سنسار کے لوگ
ان سے دِل کی باتیں کر کے کون ان کو ہلکان کرے

تم کو دیکھ کے پھر جب ہم نے اس دُنیا کو دیکھا ہے
حیرت ہے کہ کسی طرف بھی پہلے سے حالات نہ تھے

آپ کی بزم ناز تو چمکی اس سے کیا ہوتا ہے اگر
چند آنکھیں بے آب ہوئیں یا چند اک دِل ویران ہوئے

ان سے اپنی کیونکر نبھتی، کیونکر بنتی بات چراغؔ
وہ فنکار قیامت کے ہیں ہم ہیں سیدھے سادے سے

ٹھنڈے سائے کم کم پائے

شمع جلے رونے مٹ جائے
دنیا نوروں ناروں نہائے

قسمت سے جب بھی یاں آئے
کاش مجھے وہ تنہا پائے

ہم ان سے کیا لینے آئے
وہ کیوں دیکھ ہمیں کترائے

جیون کی راہوں میں ہم نے
ٹھنڈے سائے کم کم پائے

جب بھی چین کی بین بجائی
سانپ غموں کے دوڑے آئے

ہم نے غم دل کے کھنڈروں میں
خوشیوں کے گنجینے پائے

جب بھی بہاریں آئیں ہم نے
اشکوں ہی کے دیپ جلائے

ہم ہیں اور حوادث جیسے
کشتی بیچ بھنور چکرائے

تنہائی انسان کا مقدر
تنہا آئے تنہا جائے

اور یہ جیون ساتھ کا پیاسا
ڈھونڈے لیکن ساتھ نہ پائے

جب بھی ہوا دیوالوں ہی نے
نقد و نظر کے دیپ جلائے

گھٹتے بڑھتے آتے جاتے
ہم ہیں اور بدلتے سائے

سر یونہی نہیں چھوڑا ہم نے
تنہا دُنیا سے ٹکرائے

کوئی کرن امید کی چمکے
یا یہ اندھیرا راس آجائے

لے جانا پڑتا ہے چراغ اب
ذہن کبھی جس سمت نہ جائے

تنہائی نے ہر سانس کو تلوار کیا ہے

ہر قطرۂ خوں کو شرر آثار کیا ہے
تنہائی نے ہر سانس کو تلوار کیا ہے

ظالم ہیں یہ ہر بار بدل جاتے ہیں ہم نے
حالات سے سمجھوتہ کئی بار کیا ہے

سینے سے لگائے ترا غم سوئے ہیں ہر شام
ہر صبح ترے درد کو بیدار کیا ہے

کچھ ایسی بڑی بات نہ تھی آپ کا ملنا
اس کام کو خود عشق نے دشوار کیا ہے

اس دل نے گزاری ہے تمام عمر جو تجھ بن
ظالم نے بڑے ضبط کا اظہار کیا ہے

تم ہی نہ چلے دشتِ محبت کے سفر کو
میرے دلِ وحشی نے کب انکار کیا ہے

ہاں ہاں لب و رخسار کا قصہ ہی چراغ آب
ذکرِ رسن و دار نے بیزار کیا ہے

مرغی بھی آجکل ہے ہمیں دال دوستو

اپنا ہی کچھ نہیں ہے بُرا حال دوستو
بکھرے ہوئے سے ان کے بھی ہیں بال دوستو

دو بول بولنے کی جسارت ہی کم نہ تھی
کیا دیکھتے ہم ان کے سر و تال دوستو

یہ صبح نو بہار یہ گلشن یہ سبزہ زار
ہر سُو بچھے ہوئے ہیں حسیں جال دوستو

تاکہ اُٹھا کے میں یہ اُنہیں پیش کر سکوں
دیکھو گرا گئے ہیں وہ رومال دوستو

قیمت نے اُسکی ذائقہ مُنہ کا دیا بگاڑ
مرغی بھی آج کل ہے ہمیں دال دوستو

چوکی نظر کہ آپ ہڑپ ہیں چھپاک سے
ہاں تاک میں ہے وقت کا گھڑیال دوستو

ارزاں ہے اسقدر زرِ اصلِ حیات اب
ملتا نہیں ہے اس سے کوئی مال دوستو

دامن بچا بچا کے جو چلتے ہیں آپ سے
یہ بھی ہے حسن والوں کی اک چال دوستو

اپنے کمال کو لیے نکلو سنبھال کے
بیٹھے ہوئے ہیں گھات میں نقّال دوستو

یہ کہہ کے "آؤ توڑ کریں ابر و باد کا"
بھڑکا رہی ہے آتشِ سیّال دوستو

سمجھے ہوئے تھے عشق کا اپنے جسے کمال
نکلی وہ ساری حسن کی اک چال دوستو

اک وقت تھا وہ جانِ چراغِ حیات تھے
اب بن گئے ہیں جان کا جنجال دوستو

مینخانہ ہے پُر از مے رندوں کے کدو خالی

جس وقت سے دیکھی ہیں آنکھیں تری متوالی
"کافر ہوں جو اب مے پی" رندوں نے قسم کھالی

کچھ اس دلِ وحشی کو برباد کیا ہم نے
کچھ آپ نے ظالم کی بنیاد ڈھلا ڈالی

اللہ کا دیا اپنے اس دیس میں سب کچھ ہے
یارانِ وفا خُو کی لیکن ہے قحط سالی

یا ساقی ہی پُر فن ہے یا رند ہی سادہ لوح
مینخانہ ہے پُر از مے رندوں کے کدو خالی

صد رنگ سے پھولوں میں غنچوں کے دیئے روشن
کھلتا نہیں گلشن میں ہولی ہے کہ دیوالی!

کس نازشِ دوراں کا پیغام صبا لائی
ہیں مست گل و غنچہ ہے وجد میں ہر ڈالی

وہ دشمنِ دل ٹھہرے کیا اُسکو سنبھالیں گے
تم خود ہی چراغ اپنے دل کی کرو رکھوالی

اُڑ گیا وقت بن کے طیّارہ

ہم کو دُنیا میں مثلِ بنجارہ
لیے پھرتا ہے شوقِ آوارہ

نرم و نازک سی ایک کونپل بھی
توڑ سکتی ہے سختی خارہ

جسم و جاں میں دراڑیں آئی ہیں
جب بھی چٹخا ہے دِل کا انگارہ

تیری یادوں کو اپنے ساتھ لیے
اُڑ گیا وقت بن کے طیّارہ

ہم توازن ہی اپنا کھو بیٹھے
دِل نے یکدم بھرا جو طرّارہ

ساغرِ مے نہ شاہدِ زیبا
کیا مطمئن گیا ہو نفسِ امّارہ

جن کو سمجھے تھے ہم ہنسی کی پوٹ
لیے نکلے وہ غم کا پُشتارہ!

ہم نہ جیتیں گے جس الیکشن میں
وہ الیکشن تو ہو گا دوبارہ

ذوقِ سجدہ نہ احترامِ حیات
مضطرب رُوح، ذہن آوارہ

ان کی محفل ہے اور ہم ہیں چراغ
آج کل تو ہیں اپنے پو بارہ

وہی بمبئی ہے لیکن یہ وہی فضا نہیں ہے

کہاں غم کوئی جو بندے نے کبھی سہا نہیں ہے
کہاں زہر جس کو اخترؔ نے کبھی پیا نہیں ہے

تیری دسترس سے باہر نہیں چاند تارے لیکن
تو خود اپنے آپ ہی سے ابھی آشنا نہیں ہے

وُہ زمیں کہ آسماں ہو، یہ جہاں کہ وہ جہاں ہو
ترا دل اگر جواں ہو ترے بس میں کیا نہیں ہے

یہ لبوں کی کپکپاہٹ یہ نظر کی تھرتھراہٹ
مرا دِل دھڑک رہا ہے یہ تری ادا نہیں ہے

یہ جُھکی جُھکی نگاہیں یہ دبا دبا تنفس!
اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو محض حیا نہیں ہے

یہ نظر نظر عطائیں یہ نفس نفس دعائیں
جو رہیں یونہی مسلسل تو قضا قضا نہیں ہے

وہ سحر تبسّم وہ فسوں فسوں تکلّم
مجھے یاد ہے سبھی کچھ مجھے یاد کیا نہیں ہے

وہی گہما گہمیاں ہیں وہی رونقوں کا عالم
وہی بمبئی ہے لیکن یہ وہی فضا نہیں ہے

یہ حیات کے بکھیڑے بھی سلجھ ہی جاتے لیکن
تو ہی ہم سفر نہیں ہے تو ہی ہم نوا نہیں ہے

ہیں جو جی رہا ہوں اب تک تو چراغ یہ سمجھ کر
کوئی میری طرح دُنیا میں کبھی جیا نہیں ہے

اب وہ چنچل تصوّرات کہاں

ان کی دنیائے بے جہات کہاں
اپنی چھوٹی سی کائنات کہاں

سب جوانی کے ساتھ دفن ہوئے
اب وُہ چنچل تصوّرات کہاں

غم زمانے میں تیرے غم کے سوا
اور بھی تھے مگر وہ بات کہاں

عکسِ رُخ سے جو ان کے روشن تھے
اب وُہ اُجلے تخیلات کہاں

اپنے قالب میں ڈھال لیں تُم کو
دیدہ و دِل کے بس کی بات کہاں

چاند راتیں بہت مگر جس میں !
تم ملے تھے وہ چاند رات کہاں

ان کو اپنا بنا لیا ہے تو پھر
ہم نے کھائی غموں سے مات کہاں

وہ تو خود پر فریفتہ ہیں چراغؔ
ہم پہ پھر کرتے التفات کہاں

صفحہ ۳۸۲ ملاحظہ ہو

کبھی تھا کوئی مرا چارہ گر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے خوب یاد ہے وُہ نظر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ تمہاری پہلی پیامبر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہلی پہلی بار ہی جب نظر ہمیں کیا سے کیا گئی کر مگر
نہ تمہیں ہوئی نہ مجھے خبر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

نہ کھُلا کبھی کہ نظر ملی یا بہم ہوئے ازل اور ابد
وہ دراز لمحۂ مختصر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وُہ ترے شباب کی پختگی کہ شراب کہنہ کی تازگی
مری زندگی تھی جو سر بسر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

رہو سامنے تو سکوں مجھے نہ رہو تو سخت ہی الجھنیں
کہاں اب وہ شام و سحر مگر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی روز و شب ہی حقیقتاً مری زندگی کا نچوڑ ہیں
جو تمہارے ساتھ ہوئے بسر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تمہیں یاد اب میں دلاؤں کیا ہے پرانی بات بتاؤں کیا
کبھی تھا کوئی مرا چارہ گر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ تمہاری پاک نگاہیاں، مری آرزو کی تباہیاں
مجھے دے گئیں گلِ زخم تر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جو چراغ تم نے جلایا تھا ~~دل~~ بڑے اہتمام سے (ایک دل)
وہ پڑا ہے اب سرِ رہگذر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

دل آئے کسی پر تو پھر آجاتی ہے مت بھی

چل دیتے ہیں وہ آکے دِلا جلد بہت ہی
اے خانہ بر انداز کوئی چال برت بھی

اس بزم میں جب ناگہاں بے ہوش ہوا ہیں
مسلا گیا دل کو بھی نکالی گئی رت بھی

ہے عشق کا استاد اگر کوئی تو بس حسن
دل آئے کسی پر تو پھر آجاتی ہے مت بھی

کس منہ سے شکایت ہو زمانے کے ستم کی
منہ جیسا ہو آپڑتی ہے ویسی ہی چپت بھی

ہم بوڑھے سہی وہ بھی پہلوان نہیں ہیں
باقی ہے ابھی اُن سے نپٹنے کی سکت بھی!

ہر روز کا اس کوچے میں جانا نہیں اچھا
بن سکتی ہے اے دل وہاں اچھی بھلی گت بھی

بے خود کیا پھر خود مجھے وہ ہوش میں لائے
چوما مجھے زناٹے کی دے ماری چپت بھی

کی ہم نے چراغ اپنی سی گرمانے کی کوشش
اس دل کی ہوئی گرم مگر اک نہ پرت بھی

اہلِ فرصت کو کام کاج بہت

درد ہے دل میں آہ آج بہت
ہم نے رکھی ہے غم کی لاج بہت

انقلابات کاشت کرتے رہو
خود ہی اُگ آئے گا اناج بہت

جی میں ہے ان سے پوچھیے جا کر
اُکھڑا اُکھڑا ہے کیوں مزاج بہت

حکمرانی کے ڈھنگ تو سیکھو
اس جہاں میں ہیں تخت و تاج بہت

اہلِ محنت ہیں کتنے ہی بیکار
اہلِ فرصت کو کام کاج بہت

دِل نے اپنایا منصبِ وحشت
گو کیا ہم نے احتجاج بہت

داعیۂ زندگی کے بے پایاں
تنگ دِل ہے مگر سماج بہت

ان کی باتیں ہیں اپنا دامن ہے
اہلِ دِل کو ہے کام کاج بہت

دِلِ فطرت کو ہے پسند چراغ
پھول کانٹوں کا امتزاج بہت

"خاموش رہیئے ان سے شکایت نہ کیجئے"

کیونکر کہوں کہ لطف و عنایت نہ کیجئے
ہاں اس قدر کہ آپ یہ زحمت نہ کیجئے

نظرِ کرم سے خونِ محبّت نہ کیجئے
لطفِ حیات اس طرح غارت نہ کیجئے

یا روک لیجے اپنی اداؤں کو چھیڑ سے لیجے
یا شکوۂ جراحتِ وحشت نہ کیجئے

یا چشمِ مے فروش کو گردش نہ دیجئے
یا پھر ہمارے دِل کو ملامت نہ کیجئے

یا اذنِ عام ہم کو دیجئے بہ لطفِ خاص
یا آپ خود بھی ہم سے شرارت نہ کیجئے

بڑھ جائیگی کچھ اور غمِ دِل کی داستاں
لِلّٰہ اہتمامِ مسرت نہ کیجئے!

خاموش عشق میں وُہ مزہ ہے کہ جی میں ہے
خود اُن کو بھی شریکِ محبت نہ کیجئے

وعدوں کے اعتبار پہ ٹھہری جو زندگی
کیوں اعتبارِ وعدۂ جنت نہ کیجئے

عہدِ شباب، فصلِ بہاراں، گھٹا، شراب
یہ سب ملیں تو کیا عبادت نہ کیجئے

مشکل ہے زندگی تو ہو لیکن ابھی چراغؔ
"خاموش رہیئے ان سے شکایت نہ کیجئے"

گوشت کیا گھر میں دال بھی تو نہیں

دیدنی چال ڈھال بھی تو نہیں
گفتنی ان کا حال بھی تو نہیں

اب وُہ میک اپ ہے زور دار کہ حسن
آپ اپنی مثال بھی تو نہیں

کیسے لیڈر بنیں کہ لوگوں میں
باقی اب بھیڑ چال بھی تو نہیں

زخم اپنے انھیں دکھائیں کیا
شیشۂ دِل میں بال بھی تو نہیں

یوں تو سب ہی سے دِل الجھتا ہے
اُن سے اُلجھے مجال بھی تو نہیں

قیمتوں نے وُہ ظلم ڈھایا ہے
گوشت کیا گھر میں دال بھی تو نہیں !

وہ سوال و جواب کے قائل
ہم کو خوئے سوال بھی تو نہیں

غیر کو پیار سے وہ تکتے ہیں
ان کو میرا خیال بھی تو نہیں

اُن کے کوچے میں جا رہے ہو چراغ
آپ کے سر پہ بال بھی تو نہیں

یہ خامشی نہ مری گوشِ عام تک پہنچے

اگر یہ ہاتھ کبھی دستِ جام تک پہنچے
تو ہم یہ سمجھیں گے اونچے مقام تک پہنچے

اب انتظار اگر ہے تو بس یہی کہ حیات
کب آستانہ مرگِ دوام تک پہنچے

اک ایسا رند بھی ساقی جو تیری مے لیکر
ہر اک مقام سے گزرے عوام تک پہنچے

میں چُپ تو ہوں مگر اتنا خیال رکھئے گا
یہ خامشی نہ مری گوشِ عام تک پہنچے

تجھے نکھارنے نکلے جو لیلئِ دوراں
وہ بدنصیب کہاں تیرے بام تک پہنچے

یہ کیا اندھیر ہے ساقی مجال ہے کہ کبھی
جھلک بھی مے کی کسی تشنہ کام تک پہنچے

جہاں نہ زندگی ہے اور نہ موت کا عالم
کبھی کبھی تو چراغ اُس مقام تک پہنچے

تم ہی نہیں ہو پاس تو کیسے پگڈنڈی سوجھے یا راہ

تنہا چلتے چلتے تھک کر ڈھونڈی جب کوئی جائے پناہ
افق افق پر بھٹک بھٹک کر لوٹ آئی مایوس نگاہ

اور ہمارا کون ہے جگ میں تم ہی تو اک من کے میت
پاس ہمارے آیا کرو تم میرے ساجن گاہ بگاہ

خود پر بیتی بات ہے پیارے سُنی سنائی چیز نہیں
جدھر گئے ہم قدم قدم پر غم ہی غم تھے چشم براہ

پاپی من کے پاپ نہ چھوٹے دُکھ سہہ کر بھی دیکھ لیا
سنتے تھے غم کے ساگر میں دُھل جاتے ہیں سارے گناہ

خار تھے پھر بھی باغ میں تھے ہم لیکن اب یہ حالت ہے
ہم ہیں اکیلے چاروں طرف ہے اک صحرائے آب و گیاہ

پاس تھے جب تم ذرہ ذرہ روشن روشن لگتا تھا
تم ہی نہیں ہو ساتھ تو کیسے پگڈنڈی سوجھے یا راہ

راہِ خرد میں پگ پگ پتھر، چکر، پھیر، اندھیرے تھے
از اوّل تا آخر روشن، صاف اور سیدھی عشق کی راہ

ایسے بھی ہیں لوگ جہاں میں جو یوں عمر بتاتے ہیں
وُہ ہوں مجاور اور یہ دُنیا ساری جیسے اک درگاہ

سب مایا کے چکر میں ہیں کیا اپنے کیا غیر چراغؔ
اک دوجے کے دُکھ سُکھ بانٹیں تب ہی تو جانیں کیا ہے چاہ

زندگی عشقیات ہے پیارے

جو سراپا ثبات ہے پیارے
ایک تیری ہی ذات ہے پیارے

تیرا ملنا خوشی کی بات ہے بس
باقی سب کربیات ہے پیارے

تیری آنکھوں کے باب باب میں درج
غمزۂ برقیات ہے پیارے!

حُسن سے ہار مان لے اے دل
ورنہ ہر جیت مات ہے پیارے

روٹی، عشق، عہدہ، شیخ صاحب کو
سب ہی کچھ دینیات ہے پیارے

فلم، افسانہ، شاعری میں تمام
زندگی عشقیات ہے پیارے

موت کی خاکِ سرد میں خفتہ
آرزوئے حیات ہے پیارے

ہر فنکار خیر و شر کا سوال
حصۂ ذوقیات ہے پیارے

جو بھی ہے کوئی جوہرِ قابل
بسملِ ذاتیات ہے پیارے

ہم کو تو بس تیری محبت ہی
زادِ راہِ حیات ہے پیارے

ہوں وہ شاعر چراغ جس کی چپ
خود ہی اِک کلیات ہے پیارے

نہ آگ اشکوں کی اپنی ہے نہ آہوں کا دھواں اپنا

بہت بے چین رکھتا ہے دلِ نامہرباں اپنا
کسے جاکر دکھائیں آہ ہم دردِ نہاں اپنا

قفس سے چھوٹ کر بھی اتنے پابندِ قفس نکلے
اُسی کی طرز پر ہم نے سجایا آشیاں اپنا

ہماری زندگی اور موت میں کیا فرق رہ جاتا
قدم جو آپ ہی رکھتے نہ ان کے درمیاں اپنا

لیا ہے سب ہی کچھ تیرے غمِ جاں بخش سے ہم نے
نہ آگ اشکوں کی اپنی ہے نہ آہوں کا دھواں اپنا

بہت گھبرائے تو کچھ جام و مینا چور کر آئے
مگر کب اختیار اتنا بھی تھا اکثر یہاں اپنا

خود اپنی پرو بالی جِگر خوں کر گئی ورنہ
نہ یہ اپنی زمیں ہوتی نہ کچھ یہ آسماں اپنا

کبھی رو رو کے ہنس پڑنا، کبھی ہنس ہنس کے رو دینا
بس اِتنی ہی رہی دنیا بس اتنا ہی جہاں اپنا

چلے تھے ساتھ لیکر قافلے کتنے تمنّا کے
چراغ اب رہ گیا ہے دِل ہی یک بس کارواں اپنا

ہم نے گزارا کرلیا اور آپ بن گیا

گو میں نے ہر جتن کیا اور رات دِن کیا
خود مطمئن ہوا نہ تمھیں مطمئن کیا

نخوت کے کارہائے نمایاں خدا پناہ
انسان کیا ہیں اس نے فرشتوں کو جن کیا

برتیں گے ہم سے کچھ تو رعایت خیال تھا
اب سوچتے ہیں ان کو عبث ممتحن کیا

رکھتے ہو مجھ کو ساتھ ہمیشہ بطور "پرس"
ایسا نہ جانے کون سا خادم نے "سن" کیا

تاڑی، چرس یا بھنگ کی ہے بات ہی کچھ اور
ہم نے اگرچہ نشّہ وہسکی و جن کیا

آداب ہیں حضور، اِدھر دیکھئے تو آپ
ہم نے گزارا کرلیا اور آپ بن کیا

اے کاش ہم وُہ کاغذی گُل ہی قرار پائیں
ہر روز جس کو آپ نے چولی میں پن کیا

آفت ہوئی ہے دور نہ کوئی بلا ٹلی!
ھم نے اگرچہ ذکر ترارات وِن کیا

یہ روشنی طبع کچھ ایسا چراغ ہے
پل بھر میں جس نے رات میں تبدیل دن کیا

ہے بڑا میرا کارساز بہت

تیری آنکھیں سخن طراز بہت
تیری چتون زباں دراز بہت

آپ اپنی دکان سجائیں تو
پیر و مرشد نذر نیاز بہت

نگہِ ناز باوجودِ حیا
دِل سے رکھتی ہے ساز باز بہت

مختصر تھا مگر تمہارے بغیر
کارِ ہستی ہوا دراز بہت

موت کب آئے گی خُدا جانے
زندگی ہے بہانہ باز بہت

دھڑکنیں دِل کی نغمہ زن ہوں اگر
رقصِ ہستی ہے دِل نواز بہت

دولت حسن بانٹ دو کہ نہیں
ٹھیک کچھ اس کا ارتکاز بہت

عشق کا روگ بے دھڑک اپناؤ
اب میسّر ہیں چارہ ساز بہت

امتحاں ہے کوئی قریب مگر
کیوں وُہ پڑھنے لگے نماز بہت

خوب و ناخوب میں نہیں کچھ فرق
بیش و کم میں ہے امتیاز بہت

ہم سے بہتر تو کون ہے لیکن
وہ ستمگر ہے بے نیاز بہت

ہیں تو کچھ بھی نہیں چراغ مگر
ہے بڑا میرا کارساز بہت

اجل سے آہ شرماتے کہاں تک

مصیبت سے نہ گھبراتے کہاں تک
اُٹھا کر غم کو لے جاتے کہاں تک

حجابِ زندگی اُٹھنا تھا آخر
اجل سے آہ شرماتے کہاں تک

تری نظروں نے روکا بے خودی میں
نہ جانے ورنہ ہم جاتے کہاں تک

یہ مانا آرزو ہے باعثِ غم
دِل ناداں کو سمجھاتے کہاں تک

بھروسہ کس پہ کرتے کیسے کرتے
فریب زندگی کھاتے کہاں تک

ہر اک کوچہ ترا غماز نکلا
ترے جلوؤں سے کتراتے کہاں تک

چراغ آزردہ خاطر ہوں ازل سے
مجھے احباب بہلاتے کہاں تک

تم آؤ تو اللہ پہ ایمان بھی آئے

تم آؤ تو جینے میں ذرا جان بھی آئے
کچھ اچھے بُرے کی مجھے پہچان بھی آئے

ساکن ہیں بڑی دیر سے امواجِ تمنا
تم آؤ تو ان میں ذرا ہیجان بھی آئے

تم آؤ تو پھر قوتِ فکر و عمل جاگے
جنبش میں سرِ رشتۂ وجدان بھی آئے

انجانا سا دھڑکا جو لگا ہے مرے دل کو
تم آؤ تو اس خوف کا درمان بھی آئے

تم آؤ تو آوارہ تمنائیں بھی سنبھلیں
کچھ ڈھب پہ مرے خون کا دوران بھی آئے

ان ہونی سی باتوں پہ یقین آئے ہی آئے
تم آؤ تو اللہ پہ ایمان بھی آئے

ہم لے کے دل و جان سرِ دار کھڑے ہیں
ان آنکھوں کا لیکن کوئی فرمان بھی آئے

بے راہ روی اپنے خداؤں کا چلن ہے
یہ آئیں تو پھر راہ پہ انسان بھی آئے

روشن ہے ابھی دِل میں چراغِ رُخِ جاناں
گو اسکو بجھانے کئی طوفان بھی آئے

ڈوبنے والے کیا نہیں کرتے

دردِ دِل کی دوا نہیں کرتے
آپ وعدہ وفا نہیں کرتے

ساتھ اوروں کو بھی ڈبوتے ہیں
ڈوبنے والے کیا نہیں کرتے

آپ مائل بہ التفات نہیں
ہم شکایت ذرا نہیں کرتے

تم کو مجھ سے ہزار پیار سہی
ایسی باتیں کہا نہیں کرتے

دِل کا چھالا کہیں سے پھوٹا ہے
اشک یونہی بہا نہیں کرتے

تیری مرضی ہماری مرضی ہے
ہم کوئی التجا نہیں کرتے

ورنہ جنت سے کم نہ ہو دُنیا
لوگ دِل کا کہا نہیں کرتے

ہر نفس ہے دُعائے خیر چراغ
خوف کے مارے کیا نہیں کرتے

ٹیڈی آنکھیں ہوں تو پردے کی یہ صورت ہوگی

ان کے چہرے پہ جوانی کی جو صورت ہوگی
میکس فیکٹر کی وُہ دراصل امانت ہوگی

آپ خود آئیں مرے پاس عنایت ہوگی
ورنہ مائل بہ شرارت مری وحشت ہوگی

میں نے جب چھیڑا تو آئینہ پاپوش دکھا
یوں کہا " دیکھ لو جو آپ کی صورت ہوگی"

رُخ پہ گاگلز کی ہوگی مینی ایچر سی نقاب
ٹیڈی آنکھیں ہوں تو پردے کی یہ صورت ہوگی

سُوڈ آنے پہ جسے چاہا اُسے پیار کیا
آپ کے دشمنوں کو اس پہ ندامت ہوگی

آپ بھیجیں تو مری سمت نظر کے قاصد
میرا ذمّہ ہے قبول ان کی سفارت ہوگی

ہم نے جو نبض دبائی ہے ہمیں جانتے ہیں
دیکھیں انکار کی کیونکر انہیں جرأت ہوگی

جس کا دم بھرتے ہیں سب شاہ و گدا، رند و فقیہہ
ہائے اس شوخ کی کیا طُرفہ طبیعت ہوگی

ورزشیں کرنے لگے ہیں جو حسیں لوگ چراغؔ
عاشقوں کی انہیں منظور مرمت ہوگی

راہ پہ لے آئی بے راہی

عقل و خرد کی نوکرشاہی
لا کے رہے گی سخت تباہی

کہہ گئی کیا کچھ اللہ اللہ
اک تیری خاموش نگاہی

اتنا بھٹکے اتنا بھٹکے
راہ پہ لے آئی بے راہی

پائے طلب کے آڑے آئی
خود میری آرام پناہی

گر ہے یہی آزادی تو پھر
کس نے مانگی کس نے چاہی

رہبر تو ہے ذرہ ذرہ
آہ نہیں کوئی ہمراہی

اوّل اوّل علم دو عالم
آخر آخر خود آگاہی

کون بھلا منزل کا پتہ دے
ہم بھی راہی تم بھی راہی

دِل کے چراغ کا جلنا بجھنا
کیا ہے ہدایت کیا گمراہی

ہر آرزو شباب کے سانچے میں ڈھل گئی

ویسے تو ہر ادا تری دِل میں اتر گئی
لیکن وہ اک نگاہ جو پہلے پہل گئی

مچلی تو بات بات پہ ظالم مچل گئی
سنبھلی تو خود بخود ہی طبیعت سنبھل گئی

دیکھا تمھیں تو دوڑ گئی مے سی جسم میں
ہر آرزو شباب کے سانچے میں ڈھل گئی

شب میکدے میں بہرِ تماشا گئے تھے ہم
پہنچے وہاں تو اپنی ہی نیّت بدل گئی

کچھ چشمِ یار مستی لٹانے پہ آ گئی
اور کچھ ہماری اپنی طبیعت مچل گئی

قائم کسی کے دم سے تھیں بے اعتدالیاں
اب خود بخود ہی زندگی میری بدل گئی!

کار مسیحا کر گئے آنسو ہمارے آج
رونے سے نیم جان تمنا سنبھل گئی

کچھ اور تو ہوا نہ ہوا تیرے عشق سے
لیکن غمِ حیات کی صورت بدل گئی

ہم کو اور اُن کا پیار میسّر؟ کہاں چراغؔ
اک بات تھی کہ منہ سے ہمارے نکل گئی

خدایا جو بھی کچھ ہونا ہے وہ یکبار ہو جائے

اگر کچھ مہربان مجھ پر نگاہِ یار ہو جائے
تو سطحِ زندگانی خود بخود ہموار ہو جائے

کہیں ممکن ہے پھر یہ زندگی دشوار ہو جائے
اگر تیری محبت بھی شریکِ کار ہو جائے

جو عشقِ برق ساماں ہمرہ و ہمکار ہو جائے
شعورِ سُست فطرت بھی سبک رفتار ہو جائے

شرابِ سوز سے ہر ذرہ گر سرشار ہو جائے
زمین فردوس سے بڑھ کر سکوں بردار ہو جائے

شعورِ بے بضاعت کی کوئی کم ظرفیاں دیکھے
کبھی تسبیح بن جائے کبھی زنّار ہو جائے

گزر جاؤں میں طوفانوں سے اک موج طرب بنکر
اگر حاصل کسی صورت تمہارا پیار ہو جائے

امید و بیم کا یہ عالم برزخ معاذ اللہ
خدایا جو بھی کچھ ہونا ہے وہ یکبار ہو جائے

فضاؤں میں چراغ اب ہو بھی جا تحلیل جل جل کر
وہ ہستی کیا جو سکّان زمیں پر بار ہو جائے

بکھرے ہوئے جذبے ہیں دل و جاں کی خبر لو

طوفانِ بہار آیا گلستان کی خبر لو
بکھرے ہوئے جذبے ہیں دل و جاں کی خبر لو

اس آنکھ کے چکر میں کہاں کھوئے ہوئے ہو
اے دیدہ درو اپنے گریباں کی خبر لو

بحران میں ہیں مسجد و میخانہ و مندر
کھویا ہے کہاں کوچہ جاناں کی خبر لو

اُڑتے ہوئے لمحوں کے گریبان ہی تھامو
اے بادہ کشو عمرِ گریزاں کی خبر لو

کس رنگ میں ہے جوشِ جوانی کو تو دیکھو
کس حال میں ہے شوقِ فراواں کی خبر لو

ہے چاند ستاروں کے تصور میں مگن کیا
کھوئی ہے کہاں صبحِ بہاراں کی خبر لو

آزاد فضاؤں سے بہت ربط ہے دل کو
زندانیو کچھ روزنِ زنداں کی خبر لو

طوفانِ بہاراں سے ہیں ویرانے بھی آباد
اُجڑے نہ کہیں شہرِ نگاراں کی خبر لو

کیوں آتی نہیں شعلہ احساس جگانے
کوئی تو ہوائے چمنستاں کی خبر لو!

گزرا کرے جو کچھ کہ گزرتی ہے جہاں پر
تم اپنے چراغِ تہِ داماں کی خبر لو

سمندر ہے تلاطم ہے ہوا ہے

اب اک ظالم کے پلّے جا پڑا ہے
یہی دل کے تڑپنے کی سزا ہے

ترے خطِ نگہ میں جو لکھا ہے
وہی تو میرے دل کا مدعا ہے

خموشی پر گماں گزرا ہے اکثر
کہ شاید یہ تری آواز پا ہے

بہت ہی سخت جاں ہے دل کہ ان سے
ابھی ظالم کو امیدِ وفا ہے

سفینہ ڈال دو اب دیر کیسی
سمندر ہے تلاطم ہے ہوا ہے

بڑی معصوم ہے تیری جوانی
یہ دِل بے وجہ پاگل ہوگیا ہے

تری فیاضیاں برحق ہیں ساقی
مری تشنہ لبی اپنی جگہ ہے!

اسے اچھے بُرے سے کیا تعلق
محبت کا چلن ہی دوسرا ہے

وہی تھا زخم کاری بس چراغ اک
جو خود غرضی سے اپنوں کی، لگا ہے

رہبر مجھے عزیز ہو اور راہبر کو میں

دھتکار کر ترے غمِ تقدیر گر کو میں
اب سوچ میں پڑا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

چلنے کا لطف جب ہے کہ گمراہ ہی سہی
رہبر مجھے عزیز ہو اور راہبر کو میں

توفیقِ اعتبارِ جہاں دے گیا مجھے
کیونکر نہ چاہوں تیرے غمِ معتبر کو میں

خود تجھ ہی میں نہیں ہے یہ جوہر تو اے دُعا
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے تیرے اثر کو میں

روئے سخن جدھر ہو اُدھر دیکھتی نہیں
پہچانتا ہوں خوب تمہاری نظر کو میں

یہ سوچتا ہوں دیکھ کر اپنا مآلِ شوق
کیوں مفت بانٹتا پھرا لختِ جگر کو میں

تم حکم دو تو سہل ہو تسخیر کائنات
قدموں پہ لا کے ڈال دوں شمس و قمر کو میں

روشن اسی کے دم سے تو اپنا چراغ ہے
رکھوں نہ کیوں عزیز دلِ غم نگر کو میں

تم کو میں فون کرونگی جو ضرورت ہوگی

جذبۂ دل کی شبِ وصل بُری گت ہو گی
زندہ درگور جواں سال محبت ہو گی!

بیکنی بن کے بتوں سے ہے جو لپٹی پھرتی
جانے کن کائیاں عشاق کی حسرت ہوگی

عشق کا کیس ہے معمولی سی کچھ بات نہیں
بند کمرے میں کہیں اس کی سماعت ہوگی

دل کو ہم سیف ڈیپازٹ میں نہ رکھتے لیکن
کیا خبر تھی وہ نظر لے کے یوں چمپت ہوگی

سچی جمہوریت میں دعویٰ ہے میرا حاصل
اکثریت کی صبیحہ کو حمایت ہو گی

میں نے کی ان سے ملاقات کی خواہش تو کہا
"تم کو میں فون کروں گی جو ضرورت ہو گی"

ہم نے یہ سوچ کر سب کچھ انہیں سونپا ہے چراغؔ
کچھ تو وہ بھی ہمیں دینگے جو شرافت ہو گی

بُت ہمیشہ جوان رہتے ہیں

غم کہ دوزخ بجان رہتے ہیں
دِل کی جنت میں آن رہتے ہیں

رات دن آسماں زمیں مجھ پر
تانے تیر و کمان رہتے ہیں

ان کی آنکھوں میں اللہ ہی جانے
کتنے جادو بیان رہتے ہیں

دِل کی دُنیا میں سب حسیں چہرے
بن کے اک داستان رہتے ہیں

ہو ہی جاتے ہیں سب خُدا بوڑھے
بُت ہمیشہ جوان رہتے ہیں

اب کئی دِن سے میرے حال پہ وہ
کم ہی کچھ مہربان رہتے ہیں

ان کے وعدے ہزار بوٗدے ہوں
باعثِ اطمینان رہتے ہیں

باغ سے دُور اونچے محلوں میں
باغ کے پاسبان رہتے ہیں

چشم، لب، رُخ تمہارے ابرو کے
سب ہی زیرِ کمان رہتے ہیں

زندہ جب تک ہیں ہم سے خانہ خراب
بزمِ ہستی کی جان رہتے ہیں

دِل، جگر، جاں، چراغؔ کے گھر میں
سبھی آتش نشان رہتے ہیں

تصویر تری کیسے کیسے رنگوں سے سنوارا کرتے ہیں

کہنے کو تو ہم دنیا بھر کا ہر وقت نظارا کرتے ہیں
کب اس پر اُٹھتی ہیں نظریں دِل جس پر وارا کرتے ہیں

کیا خوب شبِ تنہائی کی خاموش فضائیں ہوتی ہیں
وہ ہم کو پکارا کرتے ہیں ہم ان کو پکارا کرتے ہیں

آہوں کے شرارے اُٹھنے دو، اشکوں کے ستارے بہنے دو
آزارِ شبِ تنہائی کو یہ کچھ تو گوارا کرتے ہیں!

دنیا کو مری ویراں کر کے وہ شوخ نگاہیں کہتی ہیں
بستی کو بسانے سے پہلے ہم اس کو اجاڑا کرتے ہیں

کیا علم تجھے اے جانِ جہاں ہم اپنے تصور میں لا کر
تصویر تری کیسے کیسے رنگوں سے سنوارا کرتے ہیں

تقدیر ہمارے ڈھب کی نہیں پھر کرتے ہیں تدبیر کوئی
جو جُرم ہمیں لے ڈوبا ہے وُہ جُرم دوبارا کرتے ہیں

اُف اُن کا مزاجِ سیمابی ہر آن ہے جس کی شان نئی
وہ حُسنِ تلوّن سے اپنے جلوؤں کو نکھارا کرتے ہیں

جلنے دو چراغِ نقشِ قدم، ہمت کا سہارا بن کر جو
ہر راہی کو منزل کی جانب بڑھنے کا اشارا کرتے ہیں
طرف

دِل بھی اس دور کا بھکاری ہے

ایک رعشہ سا دِل پہ طاری ہے
زندگی کا فریب جاری ہے

قابل دید ہے ان آنکھوں نے
تیری تصویر جو اتاری ہے

تو بلا اور یہ مطمئن نہ ہوا
دِل بھی اس دور کا بھکاری ہے

جان لیوا ہزار پردوں سے
حُسنِ جاناں کی تابکاری ہے

دِل ہیں ہلکے اُسی قدر اُن کے
جس قدر جیب جن کی بھاری ہے

اندر اندر سُلگتے ہیں بادل
بس یہی کیفیت ہماری ہے

زندگی اُس کی ہے جو ہو اس کا
یہ ہماری نہ کچھ تمہاری ہے

ہوش تو کب کے جا چکے اپنے
اب تو بس موت ہی کی باری ہے

اس کی دھڑکن میں ڈوب کر دیکھو
دِل کی دنیا بڑی ہی نیاری ہے

غم کا احسان ہم پہ اتنا ہے
سُکھ کا ہر سانس ہم پہ بھاری ہے

جب سے ان کو چراغ دیکھا ہے
چشم و لب پہ سکوت طاری ہے

تیرے لیے کونین کو ٹھکرائے ہوئے ہیں

جو راندۂ درگاہ ہیں ٹھکرائے ہوئے ہیں
وہ لوگ عجب کیا ہے جو گھبرائے ہوئے ہیں

حالات سے سمجھوتہ کیا ہے نہ کریں گے
آخر تو تری آنکھ کے بہکائے ہوئے ہیں

کچھ پھول خزاں میں بھی بہاروں کے امیں ہیں
کچھ فصلِ بہاراں میں بھی مرجھائے ہوئے ہیں

یہ بات بھی کیا کم ہے کہ جینے کے ہمیں یاد
جو گُر بھی ہیں سب آپ کے سکھلائے ہوئے ہیں

دنیا ہے وُہ بے درد کہ کہتے نہیں بنتی
سہمے سے ہیں کیوں، خوف سا کیوں کھائے ہوئے ہیں

اب اس سے سوا اور کریں بھی تو کریں کیا
تیرے لیے کونین کو ٹھکرائے ہوئے ہیں

وہ گُل ہوں کہ لالے ہوں وہی پھول ہیں کچھ پھول
جو تیرے تبسم کی جھلک پائے ہوئے ہیں!

تپ تپ کے پگھلنے لگے اپنے بھی دل و جاں
جس دن سے چراغ آپ کے ہمسائے ہوئے ہیں

تم پاس ہو دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے

گم گشتہ بہاروں کو بھلا کیوں نہیں دیتے
یہ آگ کی دیوار گرا کیوں نہیں دیتے

ٹھہرے ہوئے پانی میں گرا کر کوئی پتھر
ہلچل سی کوئی آپ مچا کیوں نہیں دیتے

وہ حبس ہے سانسوں کا تسلسل بھی ہے دشوار
تم پاس ہو دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے

غم ہے کہ خوشی، حسن و محبت کہ عمل ہے
کیا راز ہے ہستی کا بتا کیوں نہیں دیتے

سرچشمۂ انوار ہو، خورشیدِ سحر ہو
ظلمت کے سب آثار ہٹا کیوں نہیں دیتے

اس شوخ کے ہاتھوں جو سب لٹ کے رہے گا
جو کچھ بھی ہے پھر خود ہی لٹا کیوں نہیں دیتے

ہنگامہ کریں مگر یہیں جمی بزم کو برہم
دیوانوں کو تھوڑی سی پلا کیوں نہیں دیتے

ہے جس سے ترے کوچہ و بازار کی رونق
اس قلب پریشاں کو دُعا کیوں نہیں دیتے

کیا کچھ نہ شرر بار ہیں بھیگی ہوئی راتیں
اے مے کشو ساون کو دُعا کیوں نہیں دیتے

احساسِ شبِ تار کو کرتا ہے جو دو چند
وہ ایک چراغ آپ بجھا کیوں نہیں دیتے

محبّت زندگی کی آبرو معلوم ہوتی ہے

محبّت ہر کہیں محوِ نمو معلوم ہوتی ہے
یہ کافر خود خدا کی آرزو معلوم ہوتی ہے

گلے کا ہار تھی جب تک تری زلفوں کا سایہ تھا
مگر اب زندگی طوقِ گلو معلوم ہوتی ہے

خود اپنی جستجو میں چار سو کہرام لے آنا
ازل ہی سے بنی آدم کی خو معلوم ہوتی ہے

کئی کوتاہیوں پر بھی کئی رسوائیوں پر بھی
محبّت زندگی کی آبرو معلوم ہوتی ہے

تری آنکھوں کا میخانہ سلامت جس کی ذردیدہ
نظر سے جھانکتی چشمِ سبو معلوم ہوتی ہے

یقیناً تیرا سایہ پڑ گیا ہے میری آنکھوں پر
وگرنہ تو ہی تو کیوں روبرو معلوم ہوتی ہے

خوشا قسمت کہ اس بُت کی نگاہ غیض بھی اب تو
چراغ آیہ لَا تَقْنَطُوْا معلوم ہوتی ہے

میرا غم کچھ غمِ نہاں تو نہیں

دردِ دل قابلِ بیاں تو نہیں،
یہ محض غم کی داستاں تو نہیں

یہ عنایات کی فراوانی!
آپ کچھ مجھ سے بدگماں تو نہیں

کیوں کھٹکتا ہوں دوستو تم کو
مجھ میں کچھ ایسی خوبیاں تو نہیں

سننا چاہو تو بول لوں گا کچھ
دِل گرفتہ ہوں بے زباں تو نہیں

پوچھتے کیا ہو، حال کیسا ہے
میرا غم کچھ غمِ نہاں تو نہیں

بھر دے سکتی ہے اس کو ایک نظر
دامنِ شوق بے کراں تو نہیں

بجلیوں نے اسے سجایا ہے
یہ کہیں میرا آشیاں تو نہیں

ہم بلانوش تجھ پہ اے ساقی
صاف کہہ دے کہیں گراں تو نہیں

دِل محبت کی بولتا ہے زباں
اُس کی اپنی کوئی زباں تو نہیں

کتنی معصومیت سے کہتے ہیں
میرا غم ہے عذابِ جاں تو نہیں!

میرا قبلہ ہے میرا کعبہ ہے
آپ کا سنگِ آستاں تو نہیں

دُکھ محبت میں جو اٹھائے چراغ
وہ کچھ ایسے ضرر رساں تو نہیں

خُوب اب خود کو پہچان کیا ہے تم نے

نُورِ ظلمت کو جو پہچان کیا ہے تم نے
کفر کو باعثِ ایمان کیا ہے تم نے

یہ مہکتا ہوا پوڈر ، یہ دھکتی سُرخی
کس کے بہلانے کا سامان کیا ہے تم نے

خیر سے اَور بے ایمان کیا ہے ان کو
آج تک جتنوں کا چالان کیا ہے تم تے

میری غربت سے یہ نفرت تمہیں معلوم بھی ہے
کتنے انسانوں کا اپمان کیا ہے تم نے

تیرے قربان مری جان کے ماڈل بن کر
عشق کا مرحلہ آسان کیا ہے تم نے

لڑنے ہر مرد سے میدان میں اُتر آتی ہو
خوب اب خود کو پہلوان کیا ہے تم نے

اپنی فطرت کے تقاضے پہ جلے آپ چراغ
ہم پہ پھر کون سا احسان کیا ہے تم نے

تو اک وہ ہے سدا جس پر طبیعت آئی رہتی ہے

کسی کی یاد میری چشمِ تر میں آئی رہتی ہے
گھٹا گھنگور میخانے پہ جیسے چھائی رہتی ہے

گلستانِ جہاں میں صبح ہی صبح کھلتی ہیں سب کلیاں
مرے دل کی کلی لیکن سدا مرجھائی رہتی ہے

زمانہ جب کوئی کروٹ بدلتا ہے تو جانے کیوں
تصور میں مرے اس دم تری انگڑائی رہتی ہے

تغیّر کچھ نہ کچھ تو آپ کے جذبوں میں آیا ہے
نگاہیں بہکی بہکی سی، نظر شرمائی رہتی ہے

ادا ہونے میں دل کی بات آتی ہی نہیں ظالم
گو جی پر چھائی رہتی ہے لبوں پر آئی رہتی ہے

سبھی چیزوں سے یہ دِل اک نہ اک دِن بھر ہی جاتا ہے
تو اک وہ ہے سدا جس پر طبیعت آئی رہتی ہے

کبھی تو راکھ کی چنگاریاں بھی بول اُٹھتی ہیں
چراغ اک آگ ہے اپنی کو بس کجلائی رہتی ہے

کہانی بھی حقیقت ہو گئی ہے

اچانک یہ قیامت ہو گئی ہے
مجھے تم سے محبّت ہو گئی ہے

تمھارے حسن سے وابستہ ہو کر
کہانی بھی حقیقت ہو گئی ہے

تری نظروں کی پاکر کیمیائی
تمنّا بیش قیمت ہو گئی ہے

غلط انداز نظروں کو کسی کی
غلط بخشی کی عادت ہو گئی ہے

ادھر بھی ہے اُدھر بھی آنکھ تیری
بڑی "انگریز خصلت" ہو گئی ہے

ہے ایسی گرم بازاری ، گراں تر
حسینوں کی سماعت ہوگئی ہے

ذرا سی بات پر اب مہ وشوں کا
بکھر جانا روایت ہوگئی ہے

تری آنکھوں نے وہ جادو جگایا
محبّت درسِ حکمت ہوگئی ہے

ترے صدقے تری ٹھوکر کے صدقے
عجب اس دِل کی حالت ہوگئی ہے

غموں کو مُسکرا کر جھیلنے کی
چراغؔ اب دِل کو عادت ہوگئی ہے

نہ کسی کے سر ہی کا درد ہوں نہ کسی کے پہلو کا خار ہوں

کسی میکدے کا ایاغ ہوں نہ کسی چمن کی بہار ہوں
نہ کسی فلک کا ہوں چاند میں نہ کسی کے دِل کا ستار ہوں

نہ کسی چراغ کی لو ہوں میں نہ کسی ستارے کی روشنی
نہ کسی کے سینے کا داغ ہوں نہ کسی نظر کا خمار ہوں

یہاں اجنبی وہاں اجنبی نہ کوئی پتہ نہ نشان کوئی
جو رہے جہاں کی نظر سے گُم وہ شہابِ تیرہ و تار ہوں

ہے مجھی تلک مری انجمن کہ میں آپ اپنا جہان ہوں
نہ کسی کے سر ہی کا درد ہوں نہ کسی کے پہلو کا خار ہوں

مری رغبتیں مری چاہتیں مری آرزوئیں ، مسرّتیں
سبھی جس کے سینے میں دفن ہیں میں وہ چلتا پھرتا مزار ہوں

مجھے این و آں کی کہاں خبر، مجھے آئے کس طرح کچھ نظر
جہاں گم ہیں اپنے پرائے سب میں وہ راہِ غم کا غبار ہوں

نہیں خالی یوں تو یہ زندگی کسی نقش سے کسی رنگ سے
جو نہ مٹ سکے نہ اُبھر سکے میں وہ عکسِ نقش و نگار ہوں

نہیں کاروبارِ حیات میں کوئی پہلو کسبِ نشاط کا
زمیں آسماں کا تو ذکر کیا میں خود اپنی ذات پہ بار ہوں

نہ خوشی کو جو کبھی پا سکے نہ سکوں کہیں جسے آسکے مل سکے
جو نہ مَر ہی جائے نہ جی سکے میں وہ رُوحِ تشنۂ کار ہوں

ہوں دھواں جلے ہوئے دل کا میں ہوں چراغِ دشتِ حیات میں
کسی نامراد کی ہوں دُعا کسی بے نوا کی پکار ہوں

حُسن اور عشق دونوں میں نکلا بلا کا کھوٹ

بندہ نواز بات یہ کر لیجیے میری نوٹ لیجے
موجود ہیں جو آپ تو کیا سر پھروں کا ٹوٹ

اس برق پاش دور میں بھی اپنے ہاں یہ درس
اسٹیم شپ کو کہتے ہیں اُردو میں آگبوٹ

جانچے گئے جو تجربہ گاہِ حیات میں
حسن اور عشق دونوں میں نکلا بلا کا کھوٹ

اُف کتنے سخت جان جراثیمِ عشق تھے
سہہ گزرے سرد و گرم جہاں کی ہر ایک چوٹ

وہ دن زیادہ دور نہیں ہیں جب اہلِ دِل
بیچا کریں گے پستہ و بادام و آخروٹ

گزری کچھ ایسی تیز اور اس اہتمام سے
نمبر بھی ان کی کار کا ہم کر سکے نہ نوٹ

دُنیا کے ریس کورس میں جیتا ہے کب کوئی
آخر یہی کُھلا کہ ہر اک "ٹوٹ" میں ہے لوٹ

دیکھو اداۓ ناز بایں تلخیٔ مزاج
کہتے ہیں وہ کہ دل میں ہمارے نہیں ہے کھوٹ

اب ہر نقاب اس رُخِ انور پہ بار ہے
بہرِ حجاب غازہ و سُرخی کی بس ہے اوٹ

سمجھے نہ ہم کہ ایسی بھی کیا بات تھی چراغؔ
کیوں آئی میرے دل ہی پہ ہر جاندار چوٹ

نیا تجربہ ہر اک جیون

میری اور تمھاری اَن بَن
سوچ ہے نادیوانہ پَن،

دُکھ ہیں اور سُکھوں کی باتیں
آنسو اور خوشی کا دامن

سُندریاں ہیں شوخ اور چنچل
بھولا بھالا سا پاپی من

بھینچ کے اپنی گود میں ان کو
کیا، کیا نہ اترایا درپن

برہا کی اندھیاری راتیں
کاش کوئی کر سکتا روشن

ہمسایوں کا کچھ تو حق ہے
تیرے پتھر میرا آنگن

ہر انسان بھٹکتا راہی
نیا تجربہ ہر اک جیون

نور کی اس دنیا کو ضرورت
اور چراغ اپنا بے روغن

کُھل کھیلے چشمِ یار جو فتنوں کا ڈر نہ ہو

ہو لاکھ پاکباز مگر اس قدر نہ ہو
کُھل کھیلے چشمِ یار جو فتنوں کا ڈر نہ ہو

وُہ بھی لیے دیئے سے ہیں ہم بھی کھچے کھچے
لیکن یہ احتیاط بھی جو کارگر نہ ہو

لَو دے اُٹھا چراغِ محبت جو دفعتاً
یار و قریب اُس بُت کافر کا گھر نہ ہو

رکھا ہی کیا ہے اور جہانِ خراب میں
مر جائیں ہم تمھاری محبت اگر نہ ہو

بہلائیے ہزار مگر دُھن میں آپ کی
ضدّی ہے دل کچھ ایسا اِدھر سے اُدھر نہ ہو

سُنتا ہوں مجھ کو یاد وہ کرنے لگا ہے پھر
ڈرتا ہوں دشمنوں کی اڑائی خبر نہ ہو

سر پھوڑنے چلے تو ہو اس عمر میں چراغ
لیکن اگر یہ معرکۂ عشق سر نہ ہو

دیارِ غیر میں اے چشم اشکبار نہ بن

نظر نظر تری میرے قرار کی بیرن
ادا ادا ہے تری میرے ضبط کی دشمن

رُخ و دہن گل و غنچہ بہ شاخ سرو سہی
ترا شباب بہاراں ترا بدن گلشن

یہ خوبیاں ہیں بہاروں کی بے بہار ہے
وہ جن کے خون سے سینچے گئے چمن کے چمن

کہاں کہاں نہ نشیمن بنا لئے سب نے
اک آشیانہ ہمارا وہی بہ شاخ کہن

مرے نصیب جو جاگے تو سو گئے فتنے
وہ جن کے دم سے تھی لیلائے جستجو کی پھبن

ہے لطفِ گریہ بھی محتاجِ چند ہم نفساں
دیارِ غیر میں اے چشمِ اشکبار نہ بن

کہاں ہے تُو کوئی آواز دے خدا کے لیے
تجھے پکارتی ہے مرے دِل کی ہر دھڑکن

چراغ اپنی رگِ جاں ہی جس کی خالق ہو
بیان کیسے ہو اُس نشترِ وفا کی چبھن

دِل توڑنے والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

کیوں حُسن کی چالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا
ان ریشمی جالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

کیوں تاڑنے والوں کو تاڑیں ہیں سبھی لوگ
خورشید جمالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

دِل پھینکنے والوں کی تو آجاتی ہے شامت
دِل توڑنے والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

سب تیر برستے ہیں شکاری ئے ستم پر
آزاد غزالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

فرزانوں کے سب پیچھے پڑے رہتے ہیں لیکن
آشفتہ خیالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

آزاد خیالوں کی تو ہیں جان کے لالے
اور تنگ خیالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

ہیں کھینچتے مستوں کو تو فی الفور سرِ دار
مے دار پیالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

سب پوجنے لگ جائیں بتوں کو تو عجب کیا
بت پوجنے والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

مہنگائی کو سب کوستے پھرتے ہیں چراغ اور
بے رحم دلالوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا

دیکھنا ساغرِ اُمید نہ بھرنے پائے

ہم سنورنے کی طرح نہ سنورنے پائے
پیار کی طرح تمہیں پیار نہ کرنے پائے

ہم خیالات کی باہوں میں جکڑ کر تجھ کو
اپنی الفت میں گرفتار نہ کرنے پائے

ہے یہ ساقی کو ہدایت کسی میخوار کا بھی
دیکھنا ساغرِ امید نہ بھرنے پائے

رقص کرتے رہیں ساقی بھی سبو بھی ہم بھی
رائیگاں ایک گھڑی بھی نہ گزرنے پائے

ہو تری یاد کی خوشبو سے جو یکسر خالی
کوئی اک لمحہ بھی ایسا نہ گزرنے پائے

کیسے کہتے کہ تھے مختار، جو کرتے، کرتے
وہ کہ دِل کھول کے جینے ہی نہ مرنے پائے

اپنے دامن میں بہاروں کو سمیٹو یارو
اس سے پہلے کہ کوئی پھول بکھرنے پائے

وقت سب زخموں کا مرہم ہوا ثابت لیکن
تیری آنکھوں کے لگے زخم نہ بھرنے پائے

آسماں گیر رہا یار کا سودا جو چراغ
ہم کہاں اپنے قدم فرش پہ دھرنے پائے

وہ آئیں گے اسکے کوئی آثار ہی کب تھے

وہ آئے ہم اس کے لیے تیار ہی کب تھے
وہ آئیں گے اس کے کوئی آثار ہی کب تھے

ہم پھولوں پہ حق اپنا جتاتے بھی تو کیسے
کانٹے بھلا جزوِ گل و گلزار ہی کب تھے

جسطرح بھی بن پڑتا تجھے اپنا بنا لیتے
جذبات مرے اتنے سمجھدار ہی کب تھے

محسوس کیونکہ ہوتی ہے سینے میں گھٹن سی
کمرے دِلِ خودبین کے ہوادار ہی کب تھے

ٹوٹی ہوئی ڈالی بھی کبھی پھولی پھلی ہے،
ہم پھولنے پھلنے کے سزاوار ہی کب تھے

مارا جو ہمیں تو نے غلط تو نہیں مارا
اے زندگی ہم تیرے وفادار ہی کب تھے

مرکز وہ چراغ اپنی توجہ کا بناتے
سچ پوچھو تو ہم اتنے گناہگار ہی کب تھے

آج کے کام کو کل پر نہ اٹھائے رکھیئے

تری تصویر کو آنکھوں سے لگائے رکھیئے
تیری یادوں کے دیئے دل میں جلائے رکھیئے

کچھ لٹیں بالوں کی چہرے پر گرائے رکھیئے
ہلکے ہلکے رخِ روشن پہ یہ سائے رکھیئے

کیا خبر کب ہمیں پڑ جائے ضرورت ان کی
ذہن کو مرکزِ افکار بنائے رکھیئے

خار و خس سے کبھی نفرت تو نہ کیجئے ہرگز
ربط پھولوں سے مگر اپنا بڑھائے رکھیئے

وقت کا جو بھی تقاضا ہو وہ پورا کیجئے
آج کے کام کو کل پر نہ اٹھائے رکھیئے

دہر کے اطلسی پردے پہ اُبھرتے مٹتے
ہر اک عنوان پہ کیسے کوئی رائے رکھیئے

کشتی رُوح کی سی جان سے پیاری شے کو
ڈوب کر خود میں تلاطم سے بچائے رکھیئے

یہ بھی ہو سکتا ہے اس راہ سے وہ بھی گزریں
پھول آنکھوں کے سرِ راہ بچھائے رکھیئے

حسب عادت جو کوئی زخم لگائے دُنیا
مسکراہٹ کے گلابوں میں چھپائے رکھیئے

جانے کس لئے یہ پھڑک اُٹھے رگ جاں انکی
سازِ ہستی کا ہر اک تار جگائے رکھیئے

تو نہیں پاس تو پھر تیرا تصوّر ہی سہی
شہرِ دِل اپنا بہر حال بسائے رکھیئے

زندگی ڈھونگ جو ٹھہری تو آخر کب تک
اتنی سنجیدگی سے اسکو رچائے رکھیئے

مشعل راہ بنا کر ترا معصوم جمال
خود کو آلائش دنیا سے بچائے رکھئے

وہ نہ ہوں ، یاد چراغ ان کی ہمیشہ ہوگی
ذہن کے طاق چراغوں سے سجائے رکھیئے

پھول کانٹوں کے درمیاں خوش ہیں

پھول کانٹوں کے درمیاں خوش ہیں
واقعیت ہے کیا کیا جائے

ظلم و بے رحمی ہیں اساسِ حیات
یہ حقیقت ہے کیا کیا جائے

مضحکہ خیز اس دنی جگ میں
اک متانت ہے کیا کیا جائے

آخر العمر موت کا آنا ،
حقِ زحمت ہے کیا کیا جائے

اچھے لوگوں سے بُری ہے یہ دُنیا
بے مروت ہے کیا کیا جائے

اونچا انساں کے ہر ارادے سے
دستِ قدرت ہے کیا کیا جائے

جور انساں سے دو قدم آگے
جور فطرت ہے کیا کیا جائے

سچی ، اچھی ، مفید ، راہ نما
صرف طاقت ہے کیا کیا جائے

کچھ جو رسوا ہے اس جہاں میں چراغؔ
آدمیت ہے کیا کیا جائے

۲۹۷ صفحہ ملاحظہ ہو

"آئی لو یو" لکھنا کتاب پر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے خوب یاد ہے وہ نظر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جو تھی برق برق شرر شرر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی درس سے ملے وقت جب، وہ مرے لیے ترا اٹھنا
لب آب آم کی شاخ پر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ سہیلیوں سے بچھڑ کے جاں مری سمت آتے ہوئے وہاں
ترا دیکھ لینا ادھر اُدھر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ تمہاری مجھ سے لگاوٹیں وہ سجاوٹیں وہ بناوٹیں
مجھے یاد ہے وہ تمام تر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے آس پاس ہی دیکھ کر ترا لائبریری میں بیٹھ کر
"آئی لو یو" لکھنا کتاب پر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کسی شاہکارِ حیات سے ہجدا ہیں رہتا تھی نظر
جو نہ دیکھتا ہیں تمہیں اگر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

گو وہ روز شب ہوئے خواب سب مرا آج تک وہی حال ہے
ہے ترے خیال میں چشم تر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مرے ہر نفس میں تمہاری یاد ہی سانس لیتی ہے آج تک
ہو نظر نظر تمہیں جلوہ گر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

"کسی انتظار میں جو آج بھی ہے چراغ آنکھ بنا ہوا"
ترے غم نے لوٹا تھا جو نگر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سارے کھلے میدان مجھے زنداں کیطرح تھے

ہر بزم میں گویا مجھے دیکھا کئے عریاں
دو ہونٹ کہ اک دیدۂ حیراں کیطرح تھے

ان پھولوں سے بہتر نہیں دنیا میں کوئی چیز
وہ پھول جو کانٹوں کے نگہباں کیطرح تھے

خوابوں میں بھی بے چین مجھے رکھتے رہے ہیں
گُل بوٹے جو اک تختۂ ویراں کیطرح تھے

ان سایوں سے بہتر کوئی دھوپ نہ چھاؤں
جو سایے تری زلف پریشاں کیطرح تھے

میں زندہ و فعال ہوں ان ہی کی بدولت
خنجر وہ جفاؤں کے جو درماں کیطرح تھے

ان تنگ دہن بوسوں کی لذّت کا نہ پوچھو
وہ بوسے جو کھُب جانے میں پیکاں کیطرح تھے

کیا کیا نہ شیاطین کے ہم پلہ رہے ہیں
وہ لوگ جو صالح تریں انسان کیطرح تھے

کیا ان کو بھلا علم و جہالت سے تعلق
وہ کفر کے آثار جو ایماں کیطرح تھے

سب عقدوں کا حل سادگی میں انکی نہاں ہے
وہ پاک خیالات جو عرفاں کیطرح تھے

اک وقت تھا، اک مرحلہ، زندگی جسمیں
سارے کھلے میداں مجھے زنداں کیطرح تھے

فرمان چراغ اِس گُل خوبی کے ہمیشہ
میرے لیے اک آیۂ قرآں کیطرح تھے

حصّے ہیں پہیلی کے

حصّے ہیں پہیلی کے
جی جان سے پیارا ہے
اپنی ہے عجب فطرت
گدلا سا جو پانی ہے
اک سانچے میں ڈھل جائے
ہم جینے سے بھر پائے
تاروں بھری راتیں ہیں
کہنے کو تو سارے ہیں
یوں عمر گزرتی ہے
ہر سمت اندھیرا ہے
بگڑے ہوئے تیور ہیں
ماضی کو بُلا سکتے
پتے بھی نہیں ہلتے
کچھ فرق نہیں بالکل

مرجھا کے بھی تازہ ہیں
جو ظُلم کرو ہم پر
دنیا کی حسینہ سے
طوفانوں میں سرگرداں
تجھ سے ہم اگر ہو نسبت
جتنا بھی چلے اُتنا
اشکوں کے حوالے سے
کوئی بھی نہیں اپنا
ہر ایک نفس اپنا
کس غار میں خوابیدہ
اُس شوخ حسینہ کی
سب روٹھنے والوں کو
ایسی ہے ہوا جس میں
ہر شب وہی بے تابی

کچھ پھول چنبیلی کے
وہ ہم کو گوارا ہے
ہم کو نہ ہوئی رغبت
دریائے جوانی ہے
تقدیر بدل جائے
بڑھتے ہی گئے سائے
دلدار کی باتیں ہیں
ہم بخت کے مارے ہیں
اک خطرے کی گھنٹی ہے
پُرنور سویرا ہے
پیشانی کا زیور ہیں
اے کاش! منا سکتے
انسان نہیں ملتے
ہر روز وہی مشکل

امید کے چونٹھ سال
سب کوششیں بے حاصل
اے کاش کہ مر سکتا
کچھ قرض چکا سکتے
اک پھانس کی آمد شد
سب رہتے ہیں ہم پر بند
ہر زہر کے پینے پر
دن رات کے ہاتھوں میں
کچھ کہتے نہیں بنتی
بادل کے سفینوں میں
دشمن وہ ہمارے ہیں

گزرے ہیں مجھے کر کے
دن رات تھے سرگرداں
افسوس ہے صد افسوس
گر اپنے خیالوں کا
ہر روز کی مشکل ہے
اک دو ہی نہیں سارے
مختار ہیں ہم ایسے
پتے ہی رہے دانے
غم اتنا زیادہ ہے
بھی ہے وہ کہاں بجلی
اس پر بھی چراغ ہو

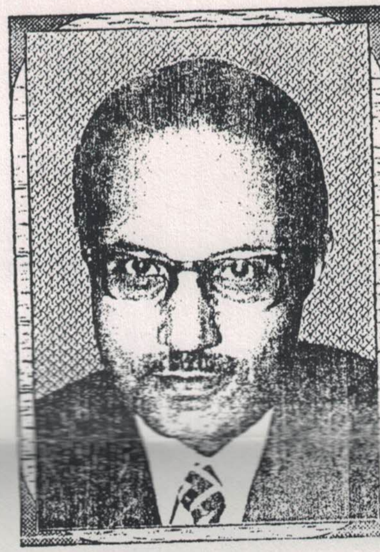
نومیدی سے مالا مال
پر پا نہ سکے منزل
میں کچھ نہیں کر سکتا
بازار لگا سکتے
ہر سانس کی آمد شد
دروازے ہیں ہم پر بند
مجبور ہیں جینے پر!
چکی کے دو پاٹوں میں
کچھ کرتے نہیں بنتی
جو دفن ہے سینوں میں
جی جان سے پیارے ہیں

هوالباقی

مراسم هفته

گلچین روزگار عجب باسلیقه است
می چیند آن گلی که درعالم نمونه است

بمناسبت هفتمین روز درگذشت جانسوز استاد گرانمایه مرحوم



چراغ عالم قریشی

«عضو هیئت علمی مرکز زبان دانشگاه صنعتی اصفهان»

مجالس یادبودی روز جمعه ۷۴/۹/۲۴ از ساعت ۲/۵ الی ۵ بعدازظهر «زنانه» در منزل آنمرحوم واقع در کوی کارمندان دانشگاه صنعتی وروز شنبه ۷۴/۹/۲۵ از ساعت ۲ الی ۴ بعدازظهر «مردانه و زنانه» در مسجد دانشگاه منعقد میباشد.

حضور دوستان ، همکاران و دانشجویان عزیز در مراسم مذکور موجب تسلی خاطربازماندگان و تجلیل از مقام والای استاد خواهد بود .

برادر مرحوم : عبدالعزیز قریشی ❀ خواهر مرحوم : دکتر عزیزالنساء سید ❀ همسر مرحوم : امامی
وابستگان مرحوم : خالد ❀ عابد ❀ رب نواز ❀ لطیف ❀ ارشد ❀ دکترعمرچند ❀ دکتراحمد چند ❀ پرفسور عثمان پیرزاده
پرفسور اعظم‌حسین شاه ❀ سیدباقررضا ❀ پرفسوردکترگل حسن لقاری ❀ مهدی معمارامامی ❀ پرویز معمارامامی
حاج حسن بریانیان ❀ بهمن طاهریان ❀ جهانگیراسفندیاری ❀ مصطفی فتاحی ❀ کورش معتمدی

ضمناً هزینه مراسم شب هفت صرف امور خیریه گردید .

Islamia
University
Bahawalpur
Pakistan
sept. 1976

چراغ صاحب جو انتقال
اصفهان ايران ۾ ~~8~~ 9 ڊسمبر 1995ع ڌاري
ٿي ٿيو.

d. birth 01-14-1927

چوڏهين جنوري 1927

1995 - 1927

چراغ صاحب ٿيو ته دليپ ڪمار
جو ساٿي هو
Dilip Kumar was born 1922 December
(67) سال

انسان دوست ۽ تهذيب جو ڄام اسڪول آيا 1959، 1960
ان ۾ اتي اسڪول ۾ [illegible] ... ڊرائوٽ ميٽرڪ جو
امتحان ڏنم. 1960ع ۾ فيل ٿي 1961ع ۾ پاس ...
سائين عبدالرحمان ادهي صاحب جي وساطت سان سائين واسطو
ٿيو. ان ۾ BA [illegible] ...
تهذيب جام ۾ رهي ... انگريزي ۾ سٺي اميدوار
جي حيثيت سان ايم اي جي ڊگري ورتائين ... ڪئي
جامعه عربيه ڪاليج حيدرآباد ۾ ليڪچرار ٿيا - ديوڙ ڪالاڳ ۾ 1965، جامعه مليه
فروک هوٽل ... ڪراچي 1965-
1968 حيدرآباد واري زمانيا ۾